دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کا علمی و دینی مجلہ
ماہنامہ
الحق
زیر سرپرستی شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق بانی و مہتمم دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک ضلع پشاور (مغربی پاکستان)

میزبانِ محترم

جذباتِ خلوص و مہمان نوازی ضرور اس کے متقاضی ہوتے ہیں کہ میزبان اپنے مہمانِ عزیز کے سامنے اپنا دل نکال کر رکھ دے۔
لذتِ کام و دہن کے ممکنہ سامان فراہم کر دینا میزبانی کی شان ہے اور ہماری روایت ہے۔

میزبانِ محترم! مہمان نوازی کی مشرقی روایات پوری کرنے کے لئے مناسب اور ضروری ہے کہ کھانے کے بعد اپنے معزز و محترم مہمان کے لئے کارمینا بھی فراہم رکھیئے کیونکہ انواع واقسام کے لذیذ و کثیر کھانے کے بعد کارمینا کی ہاضم ٹکیاں اکسیر کا حکم رکھتی ہیں۔ خاطرِ احباب کے لئے کارمینا ضروری ہے۔
کارمینا کی موجودگی مہمان کو گرانیٔ طبع کے خوف سے بے نیاز کر دے گی۔

CAR-1/75 Adarts

اے . بی سی (آڈٹ بیورو آف سرکولیشن) کی مصدقہ اشاعت

لہٗ دعوۃ الحق

ن نمبر دارالعلوم : ۴ | قرآن و سنّت کی تعلیمات کا علمبردار | فون نمبر رہائش : ۲

د نمبر : ۱۰
رہ نمبر : ۹، ۱۰

ماہنامہ الحق اکوڑہ خٹک

اگست/ستمبر ۱۹۷۵ء
شعبان/رمضان المبارک ۱۳۹۵ھ

مدیر

سمیع الحق

اس شمارے میں

ل اشتراک . پاکستان میں سالانہ بارہ ۱۲ روپے . بیرون ملک بحری ڈاک ایک پونڈ، ہوائی ڈاک دو پونڈ

فی پرچہ : ایک روپیہ ۲۵ پیسے

لحق استاد دارالعلوم حقانیہ نے منظور عام پریس پشاور سے چھپوا کر دفتر الحق دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک سے شائع کیا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نقش آغاز

بنگلہ دیش میں خونین انقلاب آیا اور شیخ مجیب الرحمان جو اس نئے ملک کے دو تین بانیوں میں سے ایک تھے۔ اپنے خاندان کے کئی افراد کے ساتھ قتل کر دئے گئے۔ یہ انقلاب جو جذباتی نعروں اور خود غرضانہ جدوجہد کے المناک نتائج کا طبعی ردعمل تھا۔ برصغیر کے مسلمانوں کے لئے اپنے اندر عبرت و موعظت کے صدہا پہلو لئے ہوئے ہے۔ اور پکار پکار کر کہہ رہا ہے کہ ؎

حذر اے چیرہ دستاں سخت ہیں فطرت کی تعزیریں

برصغیر میں جاہ پرست خود غرض عناصر کے ہاتھوں کئی بار خون کی ہولی کھیلی گئی۔ بنگلہ دیش کے قیام کے وقت بھی طبقاتی، قومی، لسانی اور معاشی نعروں کی آڑ میں ظلم و بربریت کا وہ شرمناک اور المناک کھیل کھیلا گیا جس کی نظیریں بہت کم ہی مل سکتی ہیں۔ بالآخر وہی ہوا جو ہونا تھا۔ قدرت کی تلوار نیام سے باہر آئی اور مجرموں کو اپنا بویا کاٹنا پڑا اگر جو ابھی گرفت سے آزاد ہیں تو اس لئے کہ انہیں شاید کچھ نصیحت ہو جائے۔ اور اگر تدبّر و اعتبار کے سارے راستے مسدود ہو چکے ہیں تو پھر ان کی باری ہے۔ گویا بلاشبہ قانونِ فطرت کا معاملہ بھی مجرموں سے فمنھم من قضیٰ نحبہٗ ومنھم من ینتظر جیسا ہے۔ یہی خدا کی سنت جاریہ ہے۔ سنۃ اللہ الذین خلوا من قبل ولن تجد لسنۃ اللہ تبدیلا۔

بنگلہ دیش کا حالیہ فوجی انقلاب شیخ صاحب کی غیر جمہوری روش کا غیر جمہوری ردعمل ہے۔ اور ابھی جبکہ دستور وہی ہے۔ پالیسی وہی ہے اور مرحوم کے وہی ساتھی برسرِ اقتدار ہیں جنہوں نے انسانوں کی تباہی کی یہ بھٹی سلگائی تو ہم اس انقلاب کو صحیح معنوں میں انقلاب کہہ بھی نہیں سکتے۔ جب تک صورتحال مخدوش اور مبہم ہے۔ اور ہر آنے والا دن نئے حالات کی خبر لا سکتا ہے۔ تو ہم بنگلہ دیش کے بارہ میں کوئی قطعی رائے قائم نہیں کر سکتے۔ حیرت تو ان لوگوں کی جلد بازیوں پر ہے۔ جنہوں نے انقلاب کا سنتے ہی ایسا جشن برپا کیا کہ گویا غیر مصدقہ ذرائع سے بھی "اسلامی جمہوریہ" کا نام سنتے ہی بنگلہ دیش میں خلافت راشدہ قائم ہو چکی ہو۔ برسرِ اقتدار جماعت کی تبریک و تحسین کے شور و غل سے اور ذرائع ابلاغ کے ذریعہ نئی حکومت تسلیم کرنے کو ایک عظیم کارنامہ قرار دئے جانے سے ایسا گمان ہونے لگا کہ گویا بنگلہ دیش نئے سرے سے نئے پاکستان میں مدغم ہو چکا ہو۔ وہ سیاسی عناصر جو ابھی تک بنگلہ دیش نامنظور کے نقارخانے میں بیٹھے

ہوئے تھے۔ انہوں نے بھی اپنے پچھلے سارے مواقف کو سراسر نظر انداز کرتے ہوئے اھلاً وسھلاً اور مرحباً کا طوفان سر پہ اٹھایا۔ یہ ایک ہلکی سی تصویر ہے ہمارے ہاں کی اس سطحی اور جذباتی کیفیت کی جو ہم برصغیر میں مسلمانوں کی موت وحیات جیسے اہم مسائل کے بارہ میں اختیار کئے چلے آرہے ہیں۔ مسائل کے بارہ میں سنجیدگی اور معقولیت، گہرائی سے کام لینا ابھی ہمارے ہاں عنقا ہے۔ بہرحال "بنگلہ بندھو" مجیب الرحمان کا عبرتناک انجام مسرتوں سے زیادہ عبرتوں کا مقام ہے۔ اور جن لوگوں کی تصویریں شیخ مجیب الرحمان کے فریم میں بالکل فٹ آرہی ہیں انہیں اپنے اعمال و افعال، ماضی اور حال پہ نگاہ عبرت وموعظت ڈالنی چاہئے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

جمعیۃ العلماء اسلام کے جلیل القدر رہنما مولانا مفتی محمود صاحب نے حکومت کے درپردہ بعض ایسی سرگرمیوں پر شدید احتجاج کیا ہے جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ حکومت قومی ملکیت کی تلوار سے دینی مدارس کو ذبح کرکے دین کے رہے سہے نشانات اور شعائر کو بھی مٹا دینا چاہتی ہے۔ برصغیر کے مخصوص حالات میں مدارس عربیہ کی قدر وقیمت اور ضرورت واہمیت کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں یہ مدارس نہ ہوتے تو آج برصغیر مسلمانوں کی عظمتوں کا قبرستان بن چکا ہوتا اور یہاں کی حالت سپین اور سمرقند وبخارا سے مختلف نہ ہوتی قیام پاکستان سے لیکر اب تک حکومتی ذرائع سے دین اور اسلامی علوم کے فروغ واشاعت کے ساتھ جو رویہ اختیار کیا گیا وہ بھی کسی سے مخفی نہیں۔ اگر یہ مدارس نہ ہوتے تو وہ اسلام یہاں بہت مشکل سے مل سکتا جسے لیکر ہم نے نظریۂ پاکستان کا نعرہ لگایا اور ایک سلطنت حاصل کی۔ مگر حکومت کی نظریں الٹتی بھی ہیں تو بار بار ان مدارس اور مساجد کیطرف جبکہ زندگی کے ہزاروں شعبے ابھی اسلامی مملکت کی نظرِ کرم کے محتاج ہیں جہاں تک مدارس عربیہ کے نصاب، نظام اور خامیوں کی اصلاح کا تعلق ہے، اس کے احساس اور ضرورت سے خود اہل علم اور ارباب مدارس بھی کسی لحظہ غافل نہیں رہے۔ اور نہ حکومت یا کسی بھی حلقے کی ایسی مفید طور اور مخلصانہ مشوروں کو نظر انداز کرنے کا کبھی مظاہرہ کیا گیا ہے۔ لیکن جہاں تک سرکاری تحویل میں لینے کا سوال پر ہے۔ اس مسئلہ کو حکومت صنعتی اداروں، بنکوں اور فیکٹریوں کے پیمانہ پر نہ پرکھے، ایسے اقدامات دینی و علمی حلقوں میں نہ صرف مداخلت فی الدین بلکہ فنائے دین سمجھے جائیں گے۔ اس لئے ایسے کسی اقدام کو عملی جامعہ پہنانے سے پہلے اس کی نزاکتوں کو بھی ملحوظ رکھنا چاہئیے۔

ہندوستان کے حیدر آباد دکن میں پچھلے ماہ حضرت مولانا ابوالوفا افغانی قدس سرہٗ کا انتقال ہوا، مرحوم اپنے علم تقویٰ، زہد کے ذاتی کمالات کے علاوہ فقہ حنفی کے عظیم محسنین میں سے تھے۔ انہوں نے ساری زندگی قدماء ائمہ احناف کے علمی دفینوں کے احیاء اور فقہ حنفی کے اولین مآخذ کی اشاعت و احیاء میں صرف کی اور گمنامی کی زندگی کو ترجیح دی۔ موصوف کی جدائی عالم اسلام کے لئے بالعموم اور حنفی دنیا کے لئے بالخصوص ایک بہت بڑا سانحہ ہے۔ حق تعالیٰ مرحوم کو اپنی بارگاہ میں بہترین مقام قرب عطا فرمائے۔

حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق مدظلہٗ جو کافی عرصہ سے علیل چلے آرہے تھے۔ مگر دینی، علمی، تدریسی اور قومی مشاغل نے انہیں چند دن کے لئے بھی آرام اور علاج معالجہ کی مہلت نہ دی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ۱۳ر جولائی کو صبح انہیں دل کا شدید دورہ پڑا، کسی کو بتلائے بغیر اسی حالت میں انہوں نے دوپہر تک بخاری شریف اور ترمذی شریف کا درس بھی دیا اور مرض بڑھتا گیا۔ جب طاقت جواب دے چکی تو انہیں اسی دن قریبی ہسپتال سی۔ ایم۔ ایچ نوشہرہ صدر پہنچایا گیا۔ وہاں کے کمانڈنگ آفیسر جناب ڈاکٹر کرنل محمد انور صاحب نے معائنہ کے بعد انہیں فوری طور پر ہسپتال میں داخل کر دیا۔ اور نہایت اخلاص اور محبت سے علاج شروع کیا، اسی اثناء میں پشاور کے مشہور ماہر امراض قلب، جناب ڈاکٹر محمد الیاس صاحب بھی معائنہ کرتے رہے اور ڈاکٹر چوہدری محمد انور صاحب کے ساتھ راولپنڈی کے جناب آئی ڈی حسن نے بھی معائنہ کیا۔

ابتدائی چند دن تشویش میں گذرے بالآخر ملک بھر کے ہزاروں لاکھوں مسلمانوں کی مخلصانہ دعاؤں اور ڈاکٹر محمد انور صاحب اور ہسپتال کے عملہ کی کوششوں سے مرض میں افاقہ ہوا۔ تقریباً ۲۵ دن تک آپ ہسپتال میں رہے۔ اب گھر پر علاج ہو رہا ہے۔ نقل و حرکت اور سفر وغیرہ پر پابندی اب بھی جاری ہے۔ اسی اثناء میں ہزاروں افراد علماء، صلحاء، اور اہل اخلاص نے بار بار ہسپتال میں آکر عیادت کی خطوط اور تاروں کے ذریعہ خیریت معلوم کرنی چاہی اور اب تک یہ سلسلہ جاری ہے۔ ہم ان سطور کے ذریعہ ایسے تمام حضرات کا خلوص دل سے شکریہ ادا کرتے ہیں اور حضرت موصوف کی صحت کاملہ عاجلہ کے لئے دعاؤں کا سلسلہ جاری رکھنے کی اپیل بھی کرتے ہیں۔۔۔

واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل

سمیع الحق

ضبط و ترتیب : ادارۃ الحق

محبت و اطاعت
فلاح و نجات کا حقیقی راستہ

(خطبۂ جمعۃ المبارک ۱۳۹۵ھ)

(خطبۂ مسنونہ کے بعد) قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یومن احدکم حتی اکون احب الیہ من والدہ وولدہ والناس اجمعین۔

دعوئ اسلام کی حقیقت محترم بزرگو ! اس وقت روئے زمین پر ایک ارب یا زائد افراد اسلام کا دعویٰ کرتے ہیں مگر اسلام کو ہم نے صرف ایک قومی نام فرض کر لیا ہے۔ جیسے کہ پٹھان ، خٹک ، یوسف زئی ، آفریدی ، مہمند وزیر یا دیگر قبائلی نام ہیں۔ مسلمان کے گھر جو پیدا ہوا بس اسے سرٹیفیکیٹ اور سند دیدیتے ہیں کہ یہ مسلمان ہے۔ اگر ایک شخص اسلام کا دعویٰ کرتا ہے ، اسلام کا ہمدرد اور خیرخواہ کہلاتا ہے۔ اسلام کا عاشق کہلاتا ہے۔ تو ہم اسکی زندگی کو بھی دیکھیں گے کہ آیا اسکی زندگی میں اسلام کا کوئی رنگ ہے یا نہیں ایک شخص کہتا ہے۔ کہ جوا بہت بری چیز ہے۔ شراب ، زنا ، برائی ہے۔ قتل مقاتلہ دشمنی اور جتھہ بندی بری باتیں ہیں۔ مگر یہی لیڈر سب سے بڑھ کر شرابی اور زانی ہے۔ قتل و مقاتلہ اس کا مشغلہ ہے۔ افتراق اور انتشار میں سرغنہ ہے۔ دعویٰ کرتا ہے کہ یورپ ہمارا دشمن ہے ہندو ہمارا دشمن ہے۔ انگریز اور امریکہ ہمارا دشمن ہے۔ مگر گھسا رہتا ہے ان ہی کے کیمپ میں اور خیال یہ ہے کہ ان ایوانوں میں گھسنے والا ہی فلاح یافتہ اور کامیاب ہے۔ تو سمجھ لو کہ دعویٰ غلط ہے۔ اور بہت بڑا جھوٹ ہے۔

دعوئ عشق رسول کی حقیقت دعویٰ تو محبت رسول کا کرے ، سیرت رسول سے عشق جتلائے اور یہ بھی جلوسوں کی حد تک جیسا کہ ہمارے ہاں شہروں میں جلوس نکلتے رہتے ہیں۔ بڑی ہماہمی اور ہنگامے ہوتے ہیں ، شربت تقسیم ہوتے ہیں۔ جھنڈیاں لگاتے ہیں۔ رسول کے عاشق ہیں۔ مگر جہاں عورتوں کو دیکھا اسے جلوس ہی میں تاکنے لگ گئے۔ یہ سیرت کا جلسہ اور جلوس مگر کتنی فاحشہ عورتوں کو جلوس کے موقعہ پر نشانہ بنایا گیا ! ہے۔ عجیب تماشا لوگوں نے بنا رکھا ہے۔ سیرت کو بلٹ بازی ، بھنگڑا ۔ ڈول باجہ سمجھ رکھا ہے۔ یہ سیرت رسول

کے عاشق ہیں۔؟ کیا یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کے عاشق ہیں۔؟ نہ نماز ہے نہ روزہ نہ دین ہے نہ اخلاق نہ اسلام ہے نہ اطاعت مسلمان کی شان اور حالت عجیب ہوگئی ہے۔ یہ سکھ بد بخت جو کچھ بھی ہیں مگر اپنے گرو کا جو طریقہ ہو تو لندن میں رہتے ہوئے بھی اسے نہیں چھوڑتے پگڑی اور داڑھی کے لئے جھگڑتے ہیں، مظاہرے کرتے ہیں۔ عدالتوں میں دعوے دائر کرتے ہیں کہ جب ہمارے مذہب میں ایسی بات کی اجازت نہیں تو عہدہ چھوڑ دیں گے۔ مگر اپنی یونیفارم اور امتیازی نشان قائم رکھیں گے اور ہم بھی دعویٰ کرتے ہیں محبت کا، اسی کروڑ سے زائد مسلمان ہیں جناب، مگر اسلام کے معیار پہ تول تو لیں کہ کتنا جذبہ ایمان و اسلام ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کے پیمانہ کتنے ہیں۔؟ ان کے حکم ماننے کے لئے کتنے تیار ہیں۔؟ کتنا مانتا ہے، کتنا نہیں۔؟

قول و عمل میں تضاد میرے خیال میں اگر یہ دیکھ لیں تو ہمارے قول اور عمل میں بہت بڑا تضاد اور منافات نظر آجائے گی، کچھ بھی نہیں رہے گا۔ بہت کم مسلمانی رہ جائے گی ـــــــ گویا اسلام کتابوں میں ہے اور مسلمان قبروں میں ہیں کہ جو مر گئے، اسلام اور ایمان ان میں بہتر تھا یا پھر قرآن مجید میں ہے۔ جو طاقچوں میں گرد و غبار سے اٹا پڑا رہتا ہے۔ اور مسلمانوں کا اس سے کوئی تعلق نہیں اور جو مسلمان تھے وہ گذر گئے، شہید ہوگئے ہمارے آباء و اجداد،

اسلام کی بدنامی کا ذریعہ مگر ہم تو اسلام کی بدنامی کا داغ رہ گئے ہیں۔ میں ۳۰، ۴۰ سال قبل یہاں کے قصبہ امازو گڑھی میں طالب العلم ایک ہندو تھا، وہاں گھڑی ساز، کبھی کبھی ہم اس سے ملتے تو وہ اسلام کی بڑی تعریفیں کیا کرتا تھا۔ ہم نے کہا پھر مسلمان کیوں نہیں ہوتے ہو کہنے لگا اب جبکہ ہندو ہوں تو سب اچھے الفاظ سے بلاتے ہیں۔ امن سے زندگی گذرتی ہے۔ اور اگر مسلمان ہوگیا تو یہی مسلمان مجھ پہ چڑھ دوڑیں گے راتوں کو نقب لگائیں گے کہ ہمارے اس مسلمان بھائی کے پاس مال ہے تو اپنے مال و جان کی حفاظت کی وجہ سے مسلمان نہیں ہوتا۔ ایک دفعہ ہم حضرت حاجی صاحب ترنگ زئی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں ہم یاغستان جارہے تھے بس سے اترے آگے کا راستہ پہاڑی تھا۔ لوگوں نے کہا آگے دونوں قلعوں کے درمیان راستہ بند ہے۔ دونوں طرف سے گولی چل رہی ہے۔ یہ لوگ ایک دوسرے کو نکلتے ہی قتل کر دیتے ہیں ہم نے پوچھا کہ پھر قلعوں میں بند ہو کہ یہ مسلمان ضروریات زندگی کہاں سے حاصل کر لیتے ہیں، کہا کہ دونوں گاؤں میں دو چار ہندو بھی رہتے ہیں۔ وہ باہر آنے جانے میں آزاد ہیں وہی آتے جاتے ہیں اور سودا سلف بھی وہی لے آتے ہیں، خود مسلمان باہر نہیں نکل سکتے ـــــــ تو یہ ہے مسلمانوں کی زندگی کی ایک مثال کہ غیروں کے دوست ہیں، مگر اپنی قوم کے دشمن۔

ترقی اور فلاح کا راستہ تو آپ خود سوچیں کہ اب مسلمان کیسے ترقی کر سکے گا۔ فلاح اور نجاح کیسے پا سکے گا۔ اللہ تعالیٰ نے تو مسلمانوں کے لئے فلاح کی یہ صفتیں بیان فرمائی ہیں۔

قد افلح المؤمنون الذين هم في صلاتهم خشعون ○ والذين هم عن اللغو معرضون ○ والذين هم للزكوة فاعلون ○ والذين هم لفروجهم حفظون ○ الا على ازواجهم او ما ملكت ايمانهم فانهم غير ملومين ○ فمن ابتغى وراء ذالك فاولئك هم العدون ○ والذين هم لاماناتهم وعهدهم راعون ○ والذين هم على صلوتهم يحافظون ○ اولئك هم الوارثون ○

بیشک وہ مومنین فلاح پا گئے جو نماز میں خشوع رکھنے والے ہیں اور جو لغویات سے کنارہ کش رہتے ہیں اور جو تزکیہ نفس کرتے ہیں زکوٰۃ دیتے ہیں اور جو اپنی شرمگاہوں کی نگہداشت کرنے والے ہیں۔ ہاں اپنی بیویوں باندیوں سے نہیں کہ اس طرح ان پر کوئی ملامت نہیں۔ اور جو کوئی اس کے علاوہ خواہشات کی تکمیل کا طلبگار ہوگا۔ تو ایسے لوگ حد سے نکلنے والے ہیں۔ اور جو اپنی امانتوں اور اپنے عہد کا پاس رکھنے والے ہیں اور جو اپنی نمازوں کی پابندی رکھنے والے ہیں۔ بس یہی لوگ وارث ہونے والے ہیں۔

صفات ہیں کہ جن میں یہ سات صفتیں ہوں کہ نماز بڑی عاجزی سے پڑھے عبث کاموں سے جان کو بچائے رکھے۔ راستہ چلتے فضولیات سے احتراز کرے۔ زکوٰۃ دے، زنا سے بچتا رہے، لوگوں کی امانتوں کو ضائع نہ کرے وعدہ خلافی نہ کرے، اپنے عہد و پیمان کا پاس رکھے، سچے اور کھرے ہیں۔ راستہ چلتے نظریں جھکی ہوتی ہیں نمازوں کی نگہداشت کرتے ہیں۔ الغرض اعمال و اخلاق سیاست و معاشرت ہر چیز پاک ہے۔ وہی فلاح اور نجاح والے ہیں۔ یہ ہیں کامیابی اور ترقی کے اصول اور خدا نے ہماری کامیابی کی کوئی بات قرآن میں ہم سے چھپا نہیں رکھی نہ بھلائی اور نیکی کی باتیں چھپائی ہیں۔ فرمایا:

ولكن البر من آمن بالله واليوم الآخر والملئكة والكتب والنبيين وآتى المال على حبه ذوي القربى واليتمى والمسكين وابن السبيل والسائلين وفي الرقاب

نیکی یہ ہے کہ اللہ، یوم آخرت ملائکہ اور انبیاء پر ایمان رکھے اور مال کو دل سے رشتہ داروں یتیموں مسکینوں مسافروں محتاجوں اور غلاموں کی آزادی پر خرچ کرتے ہیں۔ نماز قائم کرتے اور زکوٰۃ دیتے ہیں اپنے عہد کو پورا کرتے ہیں اور

واقام الصلوٰۃ واتی الزکوٰۃ سختی اور مصیبت میں صبر کرنے والے لوگ
والموفون بعھدھم اذا عاھدوا بیشک یہی لوگ سچے لوگ متقی ہیں۔
والصبرین فی الباساء والضراء
وحین الباس اولئک الذین
صدقوا واولئک ھم المتقون۔

اسلام سے روشن خیالوں کا مذاق بھائیو! عرض یہ کرنا تھا کہ دعویٰ کے لحاظ سے تو ہم اسی کروڑ مسلمان ہیں۔ مگر کتنے ہیں جو اپنی برائیوں پہ نظر نہیں رکھتے۔ مجالس میں دین کے ساتھ اسلام کے ساتھ ہنستے رہتے ہیں۔ دین کی بات کرنے والوں سے نفرت ہے اور کہتے ہیں کہ یہ مولوی لوگ اولڈ فیشن والے یہ دقیانوسی لوگ کیا کرتے ہیں یہ کیا جنگلی ہیں کہ چودہ سو سال پرانی باتیں کرتے ہیں۔ اسلام کی باتوں کو جنگلیوں کی باتیں کہیں تو کہئے کہ ایمان اور اسلام کا کیا رہ جاتا ہے۔ پھر یہ کیسے رسول اللہ کا امتی اور عاشق رسول کہلا سکتا ہے۔

ایک صحابی نے آکر عرض کیا یا رسول اللہ مجھے تو آپ سے محبت ہے۔ (آج بھی لوگ کہتے ہیں کہ ہم تو عشاق رسول ہیں الگ الگ ٹولیاں جماعتیں، پارٹیاں، عشاق کی بنی ہوئی ہیں ایک ایک محلہ اور گلی میں مگر دین کا ایک بھی نشان نظر نہ آئے مگر ہیں غلامانِ مصطفیٰ۔)

حضور سے عشق کا معیار تو حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص سے کہا کہ سوچ کر کہہ رہے ہو یا ویسے دعویٰ کرتے ہو۔ کہا ہاں سوچا ہے تو فرمایا کہ ایک بات یاد رکھو کہ اگر میرے سچے عاشق ہو تو جیسا کہ پانی نشیب کی طرف تیزی سے بہتا ہے۔ اسی طرح میرے عشاق کی طرف فقر و فاقہ بھاگتا ہے۔ وہ دنیا و مافیہا کو اپنے لئے نہیں بلکہ خلقِ خدا کی بہبود کے لئے سمجھتا ہے۔ وہ پھر سرمایہ دار نہیں بنتا۔ وہ زکوٰۃ صدقات، فک رقبہ ، اور دوسری شکلوں میں خرچ کرتا ہے۔ جو میرا عاشق ہے وہ تو خود ننگا رہ کر دوسروں کو ڈھانپے گا، خود بھوکا ہو کر دوسروں کو کھلائے گا۔ اپنے نفس کی خواہشات کی قربانی دے گا۔

اسلام اور رسول سے صحابہؓ کی محبت ان صحابہؓ نے پھر عشقِ رسول اور عشق اسلام کا سچا نمونہ بھی دنیا کو پیش کر دیا۔ حضرت عبداللہ بن حذافہ صحابیؓ ہیں۔ رسولِ کریمؐ کے عاشق تھے۔ قیصر روم کے نرغے میں آئے کافروں نے بھوکا پیاسا رکھا اور پوچھا کہ اب کیا حال ہے۔ اب تو اپنا راستہ چھوڑ کر میرے راستہ پہ چلتے ہو۔ یا نہیں۔ فرمایا یہ تو بھوک اور پیاس ہے آپ کا کیا خیال ہے کہ میں ایمان کے مسئلہ میں اتنا کمزور ہوں کہ بھوک کی وجہ سے اسلام چھوڑ دوں گا۔ پھر کئی دن تک بھوکے اور پیاسے رکھے گئے تو شراب اور خنزیر کا گوشت بھون کر سامنے رکھ دیا گیا۔ اب اگرچہ اسلام کا قانون یہ ہے کہ اگر ایک شخص بھوک

اور پیاس سے ہلاک ہوتا ہو۔ اسے مضطر کہتے ہیں۔ اور حالت اضطرار میں اسے اتنی رخصت ہے کہ دو چار گھونٹ یا دو چار لقمے حرام چیز کے کھا پی لے مگر اتنی مقدار میں کہ مرنے سے بچ جائے۔ الّا ما اضطررتم۔ ارشاد خداوندی ہے۔ حضرت عبداللہ بھی اس رعایت سے فائدہ اٹھا سکتے تھے۔ مگر غیرت ایمانی کا مسئلہ تھا۔ اور قیصر روم کو معلوم تھا کہ اسلام میں شراب اور سود حرام ہے۔ اور یہ بھی کہ حالت اضطرار میں اجازت بھی ہے۔ مگر پھر بھی سوچا تھا کہ تالیاں بجا سکوں گا کہ دیکھو اسی صحابی نے اپنے مذہب کے ایک مسئلہ کو تو توڑ دیا۔ مگر حضرت عبداللہؓ اور ان کے ساتھیوں نے کہا حاشا وکلّا۔ ہم مر بھی جائیں مگر ان چیزوں کو چکھیں گے بھی نہیں۔ اب بادشاہ سمجھا کہ اس طرح بھی یہ لوگ ٹھیک نہیں ہوتے۔ تو پھر تیل کی ایک ابلتی ہوئی کڑھائی لاوے پر رکھ دی اور پولیس کو حکم دیا کہ ان کے ایک ساتھی کو اس میں ڈال دو۔ اسے ڈال دیا گیا۔ اور وہ مسلمان فوراً جل بھن گیا، کوئلہ بن گیا۔

حضرت عبداللہ بن حذافہ کھڑے یہ منظر دیکھ رہے تھے۔ بادشاہ نے کہا کہ جیسا یہ ساتھی تمہارا کباب بن گیا۔ ایسا ہی حشر آپ کا بھی ہو سکتا ہے۔ اور اس سے قبل انہیں سولی پر بھی چڑھا دیا گیا تھا کہ دو لکڑیوں میں باندھ کر تیروں کی بوچھاڑ کر دی مگر پولیس کو کہا کہ پاؤں پر نشانہ بناتے رہو کہ مرے نہیں دیکھتے ہیں کہ راضی ہوتا ہے یا نہیں۔ پھر بھی یہ صحابیؓ نہ مانے نہ اسلام سے اپنی حق راہ سے ہٹنے سے معمولی آمادگی ظاہر کی۔ تو اب بادشاہ یہ آخری حربہ کڑاہی کا استعمال کر رہا تھا۔ تو ایک ساتھی ان کے سامنے ڈال دیا گیا۔ وہ شہید ہو گیا۔ اب انہیں اپنے مذہب کی طرف بلایا، مجبور کیا۔ مگر وہ نہ مانے کہا جا کر اب اسے بھی کڑھائی میں ڈال دو۔ حضرت عبداللہ کو اس طرف روانہ کر دیا گیا۔ کڑھائی کے نزدیک پہنچے تو ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ بادشاہ سمجھا کہ شاید موت کو دیکھ کر اب نرم پڑ گیا تو کہا اسے واپس بلا لاؤ۔ واپس لائے گئے تو پوچھا کہ اب تو دل نرم ہو گیا، کہو اب کیا خیال ہے۔ حضرت عبداللہؓ نے جواب میں کہا کہ اے بے وقوف شخص میری آنکھوں سے آنسو اس لئے جاری ہوئے کہ مجھے یقین ہے کہ کڑھائی میں گرتے ہی موت آئے گی اور اللہ کے ہاں میری پیشی ہو گی وصال ہو گا۔ تو روتا اس لئے ہوں کہ کاش میں نے اللہ کی راہ میں کچھ تو قربانی دی ہوتی صرف ایک روح قربان بھی کر دی تو کیا۔ جسم کے جتنے بال ہیں اتنی روحیں بھی قربان کر دیتا تو حق ادا نہیں ہو سکتا۔ اب تو اللہ کے دربار میں پہنچ کر کچھ بھی پیش نہیں کر سکوں گا۔ ما عبدناک حق عبادتک —— یا اللہ میں تو کوئی بھی جذبات ایمانی کا اظہار نہیں کر سکا، یہ ایک روح تو کوئی چیز بھی نہیں ——۔

قیصر روم یہ جواب سن کر انگشت بدنداں رہ گیا کہ ایسی قوم کا کون مقابلہ کر سکے گا۔ پھر کہا کہ چلو میری

پیشانی کو بوسہ دو تاکہ کچھ تو رعونیت قائم رہ سکے۔ تب چھوڑ دوں گا۔ کہا صرف مجھے یا میرے ساتھیوں کو بھی؟ کہا ساتھیوں کو بھی چھوڑ دوں گا۔ اور پیشانی چومنا نہ تو عبادت ہے نہ تعظیم، بچوں کی پیشانی بھی چومتے ہیں۔ تقبیل حب، اظہار مودت و محبت کے لئے بھی ہوتا ہے۔ بہر تقدیر حضرت عبداللہؓ نے خیال کیا کہ اگر ایسا کرنے سے میرے مسلمان ساتھی رہا ہو سکتے ہیں تو کیا حرج ہے تو کہا اچھا یہ کر دوں گا۔ پھر قیصر روم نے حضرت عبداللہؓ اور ان کے ساتھیوں کو رہا کر دیا۔ حضرت عمرؓ کا دور حکومت تھا، انہیں اطلاع پہنچی کہ یہ لوگ آ رہے ہیں۔ تو حضرت عمرؓ نے اعلان کر دیا کہ حضرت ابن حذافہ آ رہے ہیں، سب اہل مدینہ ان کے استقبال کے لئے نکلیں اور ہر مسلمان ان کی پیشانی چوم لے کیونکہ اس کے ذریعہ سبب کو نجات ملی تو پہلے خود حضرت عمرؓ نے انکی پیشانی چومی، صحابہ کرامؓ نے ——۔

الغرض ایک جذبہ ہوتا تھا، اسلام سے محبت کا، کہ ہر لالچ سے بیزار ہو جاتے اور ہر تعلق سے سوائے تعلق مع اللہ والرسول کے چھوڑ دیتے۔ اور ماسوی اللہ سے لا پرواہ ہو جاتے اور صرف اللہ اور اس کے رسول کا تعلق مضبوطی سے تھام لیتے، تب دنیا اور آخرت کی سرخروئی ان کے قدم چومتی۔

اطاعت کی بدولت کایا پلٹ گئی | اس اطاعت اور ایمان کی بدولت ان صحابہؓ میں خالد بن ولید —— سیف من سیوف اللہ پیدا ہوئے، کل امت خیر الامم بن گئی۔ جنگل کے باشندے اور سوسمار کھانے والے ریگستان کے پتھروں کو پوجنے والے لوگوں نے جب حضور اقدسؐ کے دامن مبارک کو تھاما تو ترقی کے کتنے اوج تک پہنچ گئے۔ آج دنیا حضرت عمر جیسا مدبر، عادل حکمران اور سیاستدان پیش نہیں کر سکتی۔ عدل و انصاف سے دنیا بھر دی، جدھر گئے فتوحات نے ان کے قدم چومے۔ یہ تو دنیا کی ترقی ہے۔ انہوں نے تو حضور اقدسؐ کے دامن کی برکت سے اللہ تعالیٰ کے دربار کا قرب حاصل کیا۔ خداوند کریم کے دربار تک رسائی حاصل کی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم خواب دیکھتے ہیں صبح حضرت بلالؓ کو بشارت دی کہ اے بلال رات خواب میں دیکھا کہ تو جنت میں مجھ سے آگے آگے جا رہا ہے۔ گو یہ سبقت خادم خاص کی حیثیت سے تھی مگر کتنا عظیم مقام حضرت بلالؓ کو ملا۔ حضرت بلالؓ جو غلام تھے، حبشی تھے۔ مگر حضورؐ کے قدموں کو تھام لینے کی برکت سے انہیں کتنا بڑا مقام حاصل کیا۔

حضور اقدسؐ کا دامن تھام لینے کی برکات | جس نے ایک دفعہ بھی حضورؐ کا نام سن کر ان پر درود شریف بھیجا تو حضورؐ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس پر دس مرتبہ اپنی رحمتیں نازل کرے گا۔ ہر نیکی پر دس نیکیوں کا اجر دینا تو قانون ہے۔ مگر یہاں درود شریف کی ایک خاص بات ہے کہ اللہ تعالیٰ درود بھیجنے والے پر خود دس دفعہ درود اور رحمتیں بھیجتا ہے اور اس کا نام اپنے دربار میں سے لیتا ہے۔ آج ہمارا اور آپ کا نام کبھی

معمولی حاکم کی مجلس میں بھی آجائے تو فخر اور عزت سمجھتے ہیں۔ مگر حضورؐ کے طفیل اللہ تعالیٰ کے ہاں دس دفعہ ہمارا نام آجاتا ہے۔ اور وہ فرشتوں میں اعلان فرما دیتے ہیں کہ میں فلاں بندے سے راضی ہوں تو یہ حضورؐ کی برکت ہے۔ مولانا روم نے کہا کہ ایک مور مسکین کبوتر کے پاؤں میں اٹک گیا تو اس کی برکت سے خانہ کعبہ تک پہنچ گیا۔ درمیان کے سارے جنگل پہاڑ دریا عبور ہو گئے۔ یہ ایک مثال دی ہے۔ امت کے لئے کہ حضورؐ کے نقش پا پہ چل کر اللہ تک پہنچ سکتے ہو ورنہ ناممکن ہے۔ اس لئے صوفیا کہتے ہیں کہ تصوف اور سلوک میں فنائی الشیخ کا درجہ ہے کہ شیخ رسول کی ذات میں فنا ہوتا ہے۔ اس کی اتباع و اطاعت کر کے فنا فی الرسول کا مقام آتا ہے۔ اور فنا فی الرسول ہونے سے فنا فی اللہ کا درجہ مل سکتا ہے۔ اس لئے کہ رسول اللہ کے دربار میں حاضر باش ہیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ ہم نماز میں جو اللہ کے ہاں حاضری ہوتی ہے۔ اپنا عجز اور نیاز پیش کرتے ہوئے التحیات للہ والصلوٰت والطیبات۔ کہہ کر اللہ کے سامنے اپنی ساری بندگی پیش کر دیتے ہیں کہ اے اللہ میری قولی میری بدنی اور میری مالی عبادتیں خالص آپ کے لئے ہیں میں مؤحد ہوں میرا سب کچھ آپ کے لئے ہے۔ ان صلوتی ونسکی ومحیای ومماتی للہ رب العالمین۔ اور اس دربار میرا حاضر ہونا یہ برکت کس کی ہے کہاں ہم اور کہاں ایسی پاک ذات سے ہمکلامی اور مناجات ہم تو تیرے حقیر غلام ہیں۔ اب جب نمازی اس ساری چیز پر نظر ڈالتا ہے تو جان لیتا ہے کہ یہ ساری برکت تو حضور اقدسؐ کی ہے تو بے اختیار اس کے منہ سے نکل جاتا ہے کہ: السلام علیک ایہا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ اے اللہ کے برگزیدہ نبی تیری ہی برکت سے کہ ہم اس مقام پر پہنچے۔ ہم تو چیونٹی سے بھی کمزور تھے۔ ہماری کیا طاقت تھی اور کیا حیثیت، کچھ بھی نہیں۔ دنیا میں بڑے بڑے عقلمند موجود ہیں۔ کوئی بت کے سامنے پڑا ہے۔ کوئی پیپل کے درخت کو اور کوئی ننگی شرمگاہوں کی پوجا کرتے ہیں۔ کوئی گوبر چاٹتے ہیں، کوئی تصویروں کی پوجا پاٹ میں لگا ہوا ہے۔ دنیا گمراہی میں مبتلا ہے۔ اور ہم صرف رب العالمین کے دربار میں سربسجود ہیں۔ تو اسے نبی اللہ کیطرف سے تجھ پر ہر طرح کی سلامتی رحمتیں اور برکتیں نازل ہوں۔ اور یہ تشہد سارا ہی اللہ کی وحدانیت کاملہ اور حضورؐ کی شان رحمۃ للعالمینی کا مظہر ہے۔

شب معراج کے مکالمہ کی حفاظت یہ شب معراج کے مکالمہ اور ملاقات کو ہم دہراتے ہیں، لکھا ہے کہ جب نبی کریمؐ معراج میں اللہ کے ہاں حاضر ہوئے تو التحیات تمام آداب ملاقات تعظیمات اور تحیات کو خداوند تعالیٰ کے لئے مخصوص فرما کر خطاب کیا تو اللہ تعالیٰ نے جواب میں فرمایا: السلام علیک ایہا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ الف لام استغراق کے لئے ہے کہ ہر عیب اور مصیبت سے تجھے سلامتی ہو۔ یہ التحیات کا جواب تھا۔ والصلوٰۃ کے جواب میں ورحمۃ اللہ۔ فرمایا۔ اور والطیبات کے جواب میں وبرکاتہ،

سے مشرف فرمایا۔ اور ایها النبی سے مخاطب فرما کر ان پر طاری شدہ ہیبت کم کرا دی۔ اور فرمایا کہ میری سلامتی رحمتیں اور برکتیں تجھ پر نازل ہوں، دنیا میں آخرت میں حشر و نشر میں برزخ میں ہر آن اور ہر لحظہ اس میں اضافہ ہی ہوتا رہے گا۔ تیرے مدعاجات، شئونات اور مقامات میں ہر لحظہ ترقی ہوتی رہے گی۔ اس اعزاز و اکرام سے نوازنے کے لئے میں نے تجھے بلایا ہے۔ نبی کریم علیہ السلام نے جب اپنے سلام کا یہ جواب سنا تو شان رحمۃ للعالمینی وہاں بھی جوش میں آگئی اور اس عظیم نعمت کا شکریہ بھی عظیم ہونا چاہیئے تھا۔ تو آپ نے یہ انعامات و اکرام اسی وقت خداوند کریم کے منشار سے تمام عباد مقربین اور صالحین اولیاء انبیاء، ملائک، جنات، امم سابقہ و لاحقہ کے لئے عام فرماتے ہوئے کہا: السلام علینا وعلی عباد اللہ الصالحین۔ اے اللہ مجھے دی گئی ان سلامتی اور رحمتوں میں اپنے سارے برگزیدہ نیک بندوں کو بھی شامل فرما لیجئے۔ یہ نبی کریم کی شان رحمت تھی کہ رحمت و برکت اور سلامتی میں گذرے ہوئے اور آنے والے سارے صالحین کو شامل فرما دیا۔

اب ملائکہ اور قدوسیوں کی ساری کائنات جن و انس اور فرشتوں کی دنیا جو حضورؐ اور رب العالمین کے راز و نیاز کو سن سکتی تھی، سب نے حضورؐ کی شان رحمت کو دیکھا تو خوشی سے بے اختیار سب بول اٹھے اور تمام انبیاء و صالحین نے حضورؐ کی عبدیت اور نبوت کی شہادت دی اور کہا کہ: اشهد ان لا الہ الا اللہ واشهد ان محمداً عبدہ ورسولہ۔ حضور اقدس کے جد امجد حضرت ابراہیم بھی عظیم الاخلاق تھے، انہیں بھی کہا گیا تھا کہ: انی جاعلک للناس اماما۔ میں تجھے دنیا کا امام بناتا ہوں۔ حضرت ابراہیمؑ نے وسعت اخلاق سے کام لیکر فرمایا۔ ومن ذریتی۔ کہ میری اولاد میں سے بھی اس منصب پر فائز ہوں۔ اور یہ بھی حضرت ابراہیمؑ کی ایک شان عظیمہ تھی کہ اس دعا کے اولین مصداق آپ کی اولاد میں ہمارے نبی کریمؐ ہیں مگر حضورؐ نے ساری کائنات سابقہ و لاحقہ کو اپنے انعامات و اکرامات میں شریک کر دیا۔ اب اس کے بدلے قیامت تک آپ کی امت تشہد کے بعد حضورؐ پر صلوٰۃ و سلام بھیجتی رہتی ہے۔ اور اس میں آپ کے جد امجد حضرت ابراہیمؑ کو بھی اس میں شریک کرتی ہے۔

حضورؐ نے التحیات کے تین جملوں میں سب کچھ سمیٹ کر اللہ کے دربار میں پیش فرما دیا۔ اب جبکہ حضرت ہاجرہ کی دوڑ دھوپ، سعی اور صحابہؓ کی پہلوانی رمل اللہ نے قیامت تک جاری کر کے محفوظ فرما دی تو جو کائنات میں بندگی کا سب سے بڑا مظاہرہ تھا، وہ کیسے محفوظ نہ ہوتا۔ اس لئے نماز میں حضورؐ کا تحیہ اور نذرانہ اللہ تعالیٰ کا جوابی انعام پھر نبی کریم کی جوابی گفتگو اور کائنات کی شہادت یہ ساری گفتگو اللہ تعالیٰ کو پسند آئی اور اسے نماز کے تشہد کی شکل میں محفوظ فرما دیا اس لئے بعض علماء نے

کہا الصلوٰۃ معراج المومنین بظاہر اخبار ہے۔ مگر اس میں انشاء کا معنی بھی موجود ہے۔

حضور سے وابستگی حقیقی محبت پر موقوف ہے۔ | الغرض دین اور دنیا کی برکتیں حضورؐ کے صدقے سے حاصل ہوتی ہیں، یہ وابستگی محبت اور رسول اللہ کی عظمت اور اطاعت کی شکل میں حاصل ہو سکتی ہے۔ محبت بھی ایسی کہ ہر چیز سے بڑھ کر ہو۔ فرمایا: لا یؤمن احدکم ۔۔۔ الخ۔ تم میں سے کوئی مؤمن نہیں بن سکتا جب تک کہ ہر ایک سے بڑھ کر مجھ سے محبت نہ ہو۔ آپ کی عظمت و توقیر احترام اور وقار دل میں مخلوق کی ہر چیز سے بڑھ کر ہو۔ اور پھر اس محبت حقیقی کی برکت سے اطاعت بھی پیدا ہو جائے گی اسی وجہ سے صحابہؓ کو اطاعت آسان تھی ہمارے لئے مشکل اس لئے ہے کہ صحیح محبت نہیں۔

محبت و اطاعت لازم و ملزوم ہیں | آپ کو معلوم ہے کہ ہم بیوی بچوں کی خاطر دن رات محنت اور مشقت اٹھاتے ہیں۔ اس لئے کہ ان سے محبت ہے کہ اچھا کھائیں پئیں، کسی والد نے کبھی بھی اس مشقت کی شکایت نہیں کی ۲۴ گھنٹے فکر میں لگا رہتا ہے۔ نہ تھکن کا احساس ہے نہ گرمی اور سردی کا، دن رات اولاد کی خوشنودی حاصل کرنے میں لگا ہے۔ یہ کیا چیز ہے۔ یہ محبت کی تاثیر ہے۔ اور مجازی محبت کی۔۔۔ مجنوں کو لیلیٰ سے مجازی محبت تھی تو لیلیٰ کے در و دیوار کو بھی چومتا تھا۔ لوگ کہتے کہ یہ پاگل ہے۔ کہا پاگل نہیں لیلیٰ کی محبت کی وجہ سے اس کے در و دیوار سے بھی محبت ہے۔ یہ در و دیوار بذات خود کچھ بھی نہیں اس پر رہنے والی کی خوشبو اور ہوائیں لگی ہوئی ہیں۔ ایک دن لیلیٰ کی گلی کے کتے کو چوم رہا تھا۔ اس نے کہ اس کے قدم لیلیٰ کی گلیوں میں پڑے ہوئے ہوں گے۔

تو بھائیو! حقیقی محبت کی کتنی تاثیر ہو گی، اطاعت کی سب مشکلات آسان نہیں ہوں گی تو کیا ہوں گی۔ دیکھئے صحابہؓ کرام کو حقیقی محبت تھی تو حضورؐ جب بولتے تو صحابہؓ کے سر ادب اور احترام سے جھک جاتے کہ: کان علی رؤسھم الطیر۔ گویا سروں پر پرندے بیٹھے ہوئے ہوں کہ ذرا ہلے تو پرندہ اڑ جائے ۔۔۔ ایک مالدار منافق اپنے آپ کو حضورؐ اور صحابہؓ سے برتر سمجھ رہا تھا۔ اس کے بیٹے عبداللہ نے تلوار نکالدی اور گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کر دیا کہ تو باپ ہے۔ مگر حضورؐ سے بڑھ کر نہیں۔

یہ سب محبت حقیقی کے کرشمے ہوتے ہیں۔ آج پہلے تو محبت ہے نہیں، اور ہے بھی تو نام اور نمائش کی ہے۔ ورنہ سچی اور حقیقی محبت کے ساتھ اطاعت لازمی ہوتی۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو سچی محبت اور اطاعت سے مالامال فرما دے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

ہمارے ہاں شیعہ سنی فرقوں کو ایک دوسرے کے قریب لانے کی آوازیں اٹھتی رہتی ہیں۔ عالم اسلام کے مشہور مفکر مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کے سامنے ان کے دورۂ ایران کے دوران ایسے ہی سوالات آئے۔ انہوں نے اپنے سفرنامہ "کابل سے یرموک تک" میں اس سوال پر سیر حاصل روشنی ڈالتے ہوئے مفاہمت کی حقیقی قدروں پر گفتگو کی ہے۔ "ادارہ"

★

مسلمانوں کے مختلف فرقوں کو ایک دوسرے سے قریب لانے اور شیعہ سنیوں کے درمیان وسیع اور گہری خلیج کو پُر کرنے کے لئے ضروری ہے کہ جذبات وتعلق کے اس کرنٹ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت، اور آپ کی نبوت کی طرف موڑ دیا جائے، اس لئے کہ آپ کی ذات گرامی مسلمانوں کا مرکز توجہ ہے، اور آپؐ کی نبوت ہی سے یہ چشمہ ابلتا ہے۔ اور آپ ہی وہ روشن چراغ ہیں جس نے پوری دنیا کو منور کیا ہے، یہ ایسا عظیم الشان تجدیدی کام ہے، جس کے لئے نہایت قوی الارادہ، صاحب عزم، بلند ہمت مصلحین ومفکرین کی ضرورت ہے۔ جب بھی یہ کام پورا ہوگا، اسلام کی فکری اور تجدیدی تاریخ میں ایک انقلاب انگیز، اور بے نظیر کارنامہ ہوگا۔ اسی ٹھوس اور مستحکم بنیاد پر حقیقی اور فطری اسلامی اتحاد قائم ہوسکتا ہے، اس کے علاوہ ہر کوشش مصنوعی اور غیر فطری ہوگی۔

اگر اثنا عشری حضرات خلوص دل سے چاہتے ہیں، کہ مسلمانوں کے مختلف فرقے ایک دوسرے سے قریب آئیں، اور وہ صاف دل سے متحد ہوکر ایک مرکز پر جمع ہوں تو انہیں صحابۂ کرام اور امہات المؤمنین

کے بارے میں اپنے طرزِ فکر میں تبدیلی کرنی ہوگی، اس لئے کہ افراد اور جماعتوں کی محبوب و محترم شخصیتوں کا جب تک احترام نہ کیا جائے گا، اس وقت تک یک جہتی کی کوئی کوشش کامیاب نہیں ہو سکتی۔ یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ دو آدمی ایک مقصد کے لئے جوش و خلوص، صاف دلی اور جذبہ و تعاون سے آپس میں مل بیٹھیں، لیکن ایک ساتھی دوسرے ساتھی کے مثالی محبوب و محترم، اور محبت و عقیدت کی مرکزی شخصیت کو نامناسب الفاظ میں یاد کرے، طنز و تشنیع اور بے سروپا الزامات لگانے کو خدا کے یہاں تقرب کا ذریعہ خیال کرے، ہم میں سے ہر شخص کو اس کا تجربہ ہے، جب اساتذہ و شیوخ، اور آباء و اجداد کے بارے میں ہمارا یہ تجربہ ہے۔ تو بھلا ان پاک نفوس کے بارے میں ہمارا کیا حال ہوگا، جن کو انسان اپنے آباء و اجداد اور اساتذہ و شیوخ سے کہیں زیادہ افضل اور برتر سمجھتا ہے، اور ان پہ اپنی جان نثار کرنے کے لئے تیار رہتا ہے، اور ان کو دین کا سچا خادم اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جان نثار فدائی خیال کرتا ہے۔ اور یہ سمجھتا ہے کہ صحابۂ کرام نے خدا کی راہ میں جہاد کیا ہے۔ اور دینی دعوت کے میدان میں بیش بہا خدمات انجام دی ہیں، اور دنیا کی زندگی میں زہد و تقشف اور ایثار و قربانی کے لازوال نقوش چھوڑے ہیں ——۔

اس جذباتی پہلو سے قطع نظر اس مسئلہ کی بہت بڑی تبلیغی اہمیت اور علمی قدر و قیمت ہے، لوگ ہمیشہ دعوت کی صداقت، اور کسی مذہب کی تعلیمات کی خوبیوں کا فیصلہ اس سے کرتے ہیں کہ اس دعوت نے کیسے اخلاقی نمونے اور عملی مثالیں پیش کیں، اس دعوت نے اپنے ابتدائی دور میں کس طرح کی نسل تیار کی، اور آدم گری و مردم سازی کا کیا کمال دکھایا، صاحبِ دعوت کو اپنی دعوت و تربیت میں کہاں تک کامیابی حاصل ہوئی ؟ اساتذہ و معلمین، قائدین و مصلحین اور ماہرینِ فن صناعوں کی کامیابی کا بھی ہمیشہ سے یہی پیمانہ رہا ہے، اگر ان کو اپنی کوششوں میں معتدبہ کامیابی حاصل ہوئی اور انہوں نے خاصی تعداد میں ایسے لوگ تیار کئے جن سے ان کے کمالِ فن کا اظہار ہوتا تھا۔ اور ان کی محنت ٹھکانے لگتی تھی، تو ان کی فنی مہارت اور ان کا امتیاز بے چون و چرا تسلیم کر لیا گیا۔ اور ان کو اس فن کا امام اور اپنے مقصد میں کامیاب مان لیا گیا، لیکن اگر ان کی کوششوں کے نتائج برائے نام ہوں، اور کامیابی بہت محدود پیمانے پہ ہوتی ہے، یا اپنے شاگردوں، اور ماننے والوں کی تعلیم و تربیت میں ان کی جد و جہد ضائع ہو جاتی ہے۔ اور یہ شاگرد اپنے اساتذہ اور مربیوں کے اس دنیا سے جاتے ہی ان کی جد و جہد کو ناکام ثابت کر دیتے ہیں، اور ان کی تربیت کے اثرات بہت جلد زائل ہو جاتے ہیں، تو ان اساتذہ اور مربیوں کو اپنی تعلیم و تربیت کی مہم میں ناکام سمجھا جاتا ہے۔

اس موقعہ پہ لوگ یہ سوال کرنے میں حق بجانب ہوتے ہیں، کہ جب یہ دعوت اپنے سب سے بڑے داعی کے ہاتھوں اپنے دورِ عروج میں کوئی دیرپا، اور گہرے نقوش مرتسم نہ کرسکی اور جب اس دعوت پر ایمان لانے والے ابتدا ہی میں اسلام کے وفادار اور امین نہ رہ سکے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جس صراطِ مستقیم پر صحابۂ کرامؓ کو چھوڑا تھا، ان میں سے معدودے چند آدمی ہی اس پہ گامزن رہ سکے، تو ہم کیسے تسلیم کر سکتے ہیں کہ اس کے اندر نفوس کے تزکیہ کی صلاحیت ہے اور وہ انسان کو حیوانیت کی پستی سے نکال کر انسانیت کی بلند چوٹی تک پہنچا سکتی ہے۔

دعوت و تبلیغ کی ایک اہم ضرورت، نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ گرامی اور آپ کی سیرت و تاریخ کی عظمت کو ثابت کرنے کے لئے ضروری ہے کہ ہم صحابۂ کرامؓ کے محاسن کا اعتراف کریں، ان کے کارناموں کی عظمت و اہمیت، ان کی وفاداری، باہمی محبت و تعاون علی الحق کے نقوش کو اجاگر کریں، اور اس تابناک تاریخ کا یہ روشن ورق دنیا کے سامنے پیش کریں ——— ان کی بھول چوک، اور بشری کمزوریوں کی حیثیت تاریخ کے صاف شفاف صفحہ پہ ایک سیاہ نقطہ سے زیادہ نہیں، صحیح منطق اور عقلِ سلیم بھی اس موقف کو قبول کرتی ہے۔ اور قرآن مجید اور مستند تاریخ سے بھی یہی موقف درست ثابت ہوتا ہے۔ قرآن مجید نے بھی سابقین اولین اور سلف صالحین کے متعلق اسی روش کو قابلِ تعریف قرار دیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے:

وَالَّذِيْنَ جَاۗءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ۔ (الحشر:۱۰)	اور واسطے ان لوگوں کے جو آئے ان کے بعد کہتے ہوئے اے رب بخش ہم کو اور ہمارے ان بھائیوں کو جو ہم سے پہلے ایمان میں داخل ہوئے، اور نہ رکھ ہمارے دلوں میں بیر ایمان والوں کا، اے رب! تو ہی نرمی والا مہربان ہے ——!

گذشتہ قوموں کا بھی یہی عقیدہ تھا کہ ان کے انبیاء علیہم السلام کے حواری اور رفقاء مخلوقِ خدا میں سب سے بہترین لوگ ہیں، یہ قومیں اپنے پیغمبروں کے حواریوں، اور شیعوں کی محبت و عقیدت میں معروف مشہور تھیں، اس لئے ہمیں صحابہ کرامؓ سے اور زیادہ محبت و عقیدت ہونی چاہئے، جو اس نبی کے رفیق و حواری ہیں، جس نے اس دنیا پر سب سے زیادہ گہرا اور لافانی اثر ڈالا ہے، قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُبِينٍ۔ (الجمعہ ۲)

وہی ہے جس نے بھیجا ان پڑھوں میں ایک رسول انہیں میں کا، وہ پڑھ کر سناتا ہے، ان کو اللہ کی آیات اور سنوارتا ہے، اور سکھلاتا ہے، ان کو کتاب و حکمت، اور اس سے پہلے وہ پڑے ہوئے تھے صریح بھول میں۔

...

هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ ۚ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ شَهِيدًا۔ (الفتح ۲۸)

وہ اللہ ایسا ہے کہ اس نے اپنے رسول کو ہدایت دی اور سچا دین دے کر بھیجا ہے تاکہ اس کو تمام دینوں پر غالب کرے اور اللہ کافی گواہ ہے۔

اگر ہم مختلف مسلک کے لوگوں کو قریب کرنے کے لئے خلوص دل سے کوشش کرنا چاہتے ہیں تو پھر یہ کوشش ٹھوس اور فطری بنیاد پر ہونی چاہیئے، اس نفسیاتی اور فطری راستہ کے علاوہ جو کوشش بھی کی جائے گی، وہ ناکام اور غیر فطری ہوگی، ہم نے ایک موقعہ پر علامہ تقی القمیؒ (جو اس مقصد کے لئے تیس ۳۰ سال سے کام کر رہے ہیں۔) کی مجلس میں عرض کیا تھا کہ ہمارے یہاں اردو کی ایک مثل ہے کہ "تالی ایک ہاتھ سے نہیں بجتی" میں اس میں اتنا اضافہ کرتا ہوں کہ صرف دو ہاتھ بھی کافی نہیں، ان میں خلوص، عزم اور سنجیدگی بھی ہونی چاہیئے اور کسی ہاتھ میں ڈھیلاپن اور سستی ہوگی، تو تالی نہیں بج سکتی۔ میں نے یہ بھی کہا تھا کہ:

تقریب بین المذاہب کوئی مشینی عمل نہیں، زبان سے زیادہ اس کا تعلق دل سے ہے، اور خارجی مسئلہ سے زیادہ اس کا تعلق اندرونی مسئلہ ہے؛ ابھی کسی ایسے گوند کی ایجاد نہیں ہوسکی جس سے کاغذ کی طرح دل بھی جڑ جائیں، اس لئے یہ خواہش اور جدوجہد دل سے اٹھنی چاہیئے، اور اس میں اتنی روانی اور ابال ہونا چاہیئے کہ وقت اس کی قوت، اور حرارت محسوس کئے بغیر نہ رہ سکے، اس کے لئے آپس میں مفاہمت کرنی ہوگی، کچھ چیزوں سے دست بردار ہونا، اور کچھ کسر و انکسار سے کام لینا پڑے گا۔

لیکن ایک بار جب ہمارے دل اس کو قبول کرنے پر تیار ہو جائیں گے، تو پھر محبت و اعتماد کے سیل رواں کے سامنے کوئی چیز نہ ٹھہر سکے گی، اس لئے کہ محبت اپنی راہ کی ہر رکاوٹ اور بغض و عداوت کی ہر کدورت کو بہالے جاتی ہے۔

آخر میں ایران کے اہل علم و اہل دین کی توجہ قرآن سے زیادہ اعتناء کی طرف مبذول کرانا چاہتا ہوں

اس میں کوئی شک نہیں کہ ہمارے ایرانی بھائی قرآن کریم کی تعظیم و تکریم کرتے ہیں، ان کو اس سے محبت ہے۔ اور وہ اس سے بے تعلق نہیں، اہل ایران قدیم زمانہ سے قرآن کی زریں کتابت و نقاشی میں آگے رہے ہیں۔ اس کو کتب خانوں اور میوزم میں خاص اہتمام سے رکھتے اور اس پر فخر کرتے اور بہتر سے بہتر طریقہ پر زیور طباعت سے آراستہ کرنے میں اب بھی وہ دوسرے ملکوں کے مسلمانوں سے پیچھے نہیں ہیں، ایران کے قدیم و جدید علماء نے قرآن مجید کی بلند پایہ تفسیریں بھی لکھی ہیں، جن میں سے متعدد ہندوستان میں بھی مشہور و متداول رہی ہیں۔

لیکن میں محسوس کرتا ہوں کہ قرآن مجید کے ساتھ ایرانیوں کا تعلق اس سے کہیں زیادہ گہرا ہونا چاہیے۔ اس کی ضرورت ہے کہ اس کا ذوق ہر ذوق پر غالب اور اس کی روح جسم و جان میں ساری و جاری ہو، جس کا ایک نتیجہ کثرت تلاوت، اور حفاظ کی کثیر تعداد کی شکل میں ملک میں دیکھا جا سکے، اس کو ہر چیز پر ترجیح دی جائے، اس کو ہر مسئلہ میں رد و قبول کا معیار، اور حسن و قبح کی میزان سمجھا جائے، وہی ہمارے علم و ادب، عقیدہ و عمل، اور سیرت و اخلاق کا مصدرۃ المنتہیٰ ہو۔

مجھے اس میں شک نہیں، ہمارے ایرانی فضلاء اور مفکرین ان پیش کردہ حقائق میں سے بعض حقیقتوں کو محسوس کرتے ہیں، اور ان کی اشاعت و ترویج اور تقویت کی ضرورت کا انہیں اعتراف ہے، واقعہ یہ ہے کہ یہ ایک عظیم الشان تجدیدی کام ہے، اور اس سے وہی باکمال شخصیتیں عہدہ برآ ہو سکتی ہیں، جو اپنے علمی وقار و احترام کو داؤں پر لگا دیں، اور اپنی زندگی کو خطرہ میں ڈالنے کے لئے تیار ہوں، لیکن اس کامیابی سے جو خوشی و مسرت حاصل ہوگی، اس سے بڑھ کر کوئی مسرت نہیں ہو سکتی، اس سے تاریخ ان کو جس عزت و احترام کے مقام پر رکھے گی، اس کی برابری کوئی عزت و مرتبہ نہیں کر سکتا، اسلام کی صاف شفاف پیشانی اور اس کی حقیقت پر جو گرد و غبار اٹ گیا ہے تاریخ کے ملبہ نے جس طرح اس کے رخ زیبا کو چھپا لیا ہے اور افکار و تقالید کی جو دبیز تہ جم گئی ہے، اس کو ہٹانا اور قرن اول میں دین کی جو حالت تھی، وہ حالت پھر سے پیدا کرنا کوئی آسان اور معمولی کام نہیں، بلکہ بہت بڑا جہاد اور عظیم الشان تجدیدی کام ہے، توحید خالص اور حقیقت دین کو اپنانے کے لئے قرآن کی دعوت صرف دوسرے مذاہب اور غیر مسلم اقوام ہی کو نہیں [illegible] کے تمام طبقوں اور گروہوں سے بھی ہے، وہ کسی عہد کے ساتھ مخصوص نہیں، بلکہ ہر گروہ اور ہر زمانہ [illegible] لئے یکساں ہے۔

تَعَالَوْا إِلَىٰ كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلَّا نَعْبُدَ إِلَّا اللَّهَ وَلَا	آؤ ایک بات کی طرف جو برابر ہے ہم میں اور تم میں کہ بندگی نہ کریں، مگر ہم اللہ کی، اور شریک

باقی صـ ۶۲

حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مدظلہٗ
مہتمم دارالعلوم دیوبند

قرآن اور حج — مساوات اور اخوتِ انسانی کا عملی مظاہرہ

مساوات اور یک رنگی کو برنگ عبادت عملی صورت دینے کے لئے حق تعالیٰ نے حج کی عبادت مقرر فرمائی کہ اس قبلہ پر اگر مشرق و مغرب کی قومیں یکساں انداز سے جمع ہوں تاکہ ان میں سے اونچ نیچ کے جراثیم ختم ہوں۔ بلکہ اس مساویانہ اجتماع سے پیدا شدہ عملی مساوات کے نمونہ کو سامنے رکھ کر وہ اپنی پوری زندگی اسی مساوات اور باہمی برابری کے ساتھ گذار دیں۔

اسی بناء پر شریعت اسلام نے اس قبلہ کو اول تو سارے انسانوں کا قبلہ قرار دیا چنانچہ آثار و روایاتِ حدیث سے ثابت ہے کہ کوئی نبی دنیا میں ایسے نہیں گذرے کہ انہوں نے اس قبلہ کا طواف نہ کیا ہو اور ظاہر ہے کہ جب سارے انبیاء اس بیت خداوندی کی عظمت اور اس سے عشق و محبت کرتے آئے ہیں اور اسے اپنا قبلہ تسلیم کر چکے ہیں تو قدرتی طور پر ان کے ماننے والی قوموں کا قبلہ بھی یہی بیت اللہ ثابت ہوتا ہے۔

پھر قرآن نے بھی یہی بتلایا کہ قبلہ کی وضع دنیا کے سارے انسانوں کے لئے ہوئی ہے، ارشاد ربانی ہے کہ:

اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیْ بِبَکَّةَ مُبٰرَکًا وَّھُدًی لِّلْعٰلَمِیْنَ.	سب سے پہلا خدا کا گھر (کعبہ معظمہ) جو لوگوں کے لئے وضع کیا گیا وہ مکہ میں ہے۔

...

آیت کریمہ میں اول تو "وُضِعَ لِلنَّاسِ" کا لفظ لایا گیا۔ یعنی سارے انسانوں کے لئے، وُضِعَ لِلْعَرَبِ یا لِلْعَجَمِ نہیں فرمایا گیا جس سے عرب اور بقیہ ساری اقوام کا قبلہ یہی بیت کریم ثابت ہوا۔ پھر اسے ہدایت اور راہنما بتلانے کے لئے "عَالَمِیْنَ" کا لفظ استعمال فرمایا کہ وہ جہانوں اور عالموں کے لئے ہدایت ہے جس سے اس قبلہ کا تمام جہانوں کے لئے عالمی ہدایت کا قبلہ ہونا ثابت ہوا جس کے معنی اس کے سوا

دوسرے نہیں کہ اطراف و اکناف عالم سے تمام اصناف بشر اور تمام قومیں اس عالمی رہنمائی کے تحت حج کرنے کے لئے اسی کیطرف بڑھیں اور اپنی اجتماعیت کبریٰ یا عالمی اجتماعیت کا ثبوت دیں۔

اسی لئے حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کو جنہیں قرآن نے امام الناس فرمایا ہے۔ کہ " اِنِّیْ جَاعِلُکَ لِلنَّاسِ اِمَامًا " اور فرمایا کہ " اَذِّنْ فِی النَّاسِ بِالْحَجِّ " لوگوں کے لئے حج بیت اللہ کا اعلان عام کر دیں تو یہاں بھی دونوں جگہ بلاتخصیص عرب و عجم " الناس " کا لفظ لایا گیا یعنی موذن تو امام الناس بنائے گئے جنہیں بلاتخصیص تقریباً دنیا کی تمام بڑی قومیں امام تسلیم کرتی ہیں اور اس اعلان عام کا مخاطب بھی الناس ہی کو بنایا گیا جس میں کسی قوم یا ملک کی تخصیص نہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ سارے انسانو، حج کے لئے چلو، اس لئے امام العرب، یا امام الشام یا امام العراق نہیں بلکہ " امام الناس " کہا گیا جنہیں یہود و نصاریٰ بھی امام مانتے ہیں اور مسلمان بھی انہیں اپنا امام تسلیم کرتے ہیں، مجوس اور فارسی قومیں بھی زرتشت کے نام سے انہیں امام تسلیم کرتی ہیں اور براہمہ بھی براہیم کو اپنا امام مانتے ہیں غالباً اسی لئے انہوں نے اپنا لقب براہمہ رکھا ہے، نیز بقیہ اقوام بھی تبعاً اسی ذیل میں آجاتی ہیں جو ممکن ہے کہ ناموں کے تفاوت سے وہ بھی ان کی امامت کو تسلیم کرتی ہوں۔ غرض اعلان حج کے لئے امام الناس کو منتخب فرمایا جانا اس کی کھلی علامت ہے۔ کہ حج کا یہ اذن عام دنیا جہاں کے سارے انسانوں کے لئے تھا، اور حج کے اس اعلان عام کا مخاطب " الناس " کو بنایا جانا بھی جس میں کسی ملک یا قوم کی تخصیص نہیں اس کی کھلی دلیل ہے کہ حج کا خطاب دنیا کے سارے انسانوں کے لئے ہے جس سے صاف واضح ہے کہ حق تعالیٰ نے اس قبلۂ مقدسہ کو مرکز ناس اور مرکز عالم بنا کر حج کے لئے اس کے ارد گرد سارے ہی انسانوں کو جمع کرنے کا اذن عام دیا ہے جس سے حج ایک بین الاقوامی عبادت ثابت ہو جاتا ہے۔ لیکن اگر اور قومیں اس سے منحرف بھی ہو جائیں اور صرف مسلمان ہی اس کی طرف رجوع کریں تب بھی وہ بین الاقوامی ہی تک ثابت ہوگا۔ کیونکہ مسلمان دنیا کے ہر خطے میں موجود ہیں اور وہ یورپ ایشیا، افریقہ اور امریکہ سے چل کر جب حج کے لئے آئیں گے تو اس کی بین الاقوامیت پھر بھی نمایاں رہے گی۔ اور اسی بین پہنچ کر حج بین الاقوامی ہی عبادت ثابت ہوگا۔

خلاصہ یہ کہ حج بروئے قرآن اس دنیا میں ایک عالمی اجتماع ہے جس میں ساری قومیں یکسانی کے ساتھ حصہ لیتی ہیں اس لئے ان میں قدرتی طور پر اخوت اسلامی عالمی مساوات اور عالمی بھائی چارہ اور عالمی خدمت کا جذبہ ابھرنا ہی چاہئے پھر ساتھ ہی حج میں صورتوں میں بھی مساوات رکھی گئی ہے، پھر اسی پر قناعت نہیں کی گئی کہ اقوام ہی سب یکساں رہیں بلکہ آنے والے افراد میں بھی باہم یکسانی اور مساوات رونما ہو لباس بھی سب کا ایک ہو۔ وضع بھی ایک اور افعال بھی سب کے ایک اور یکساں ہوں، امیر و غریب، بادشاہ و گدا، خواص و عوام، عالم و جاہل، نیک و بد، صالح و طالح، متقی اور فاسق، ایک ہی لباس میں، ایک ہی کفن میں، ننگے سر، ننگے پاؤں

یکساں فقیرانہ انداز سے اس بیت کریم کے ارد گرد جمع ہوں احرام بندھا ہوا ہو اور یک وضع اور یک رخ ہو کر اس بیت کریم کے ارد گرد پروانوں کی طرح چکر کھائیں، طواف کریں، اور اس پر اپنی جانثاری کا ثبوت دیں۔

عرفات کے میدان میں بھی اسی ایک وضع میں ننگے سر ہو کر اپنے رب کے سامنے گڑگڑائیں اور فریاد کریں مزدلفہ اور منیٰ میں بھی ایک ہی انداز سے گریہ وزاری میں محو اور مست ہوں۔ صفا مروہ کی پہاڑیوں کے درمیان بھی اسی ایک انداز گرویدگی اور محویت سے عاشقانہ اور والہانہ دوڑ لگائیں ایک قافلہ دوسرے قافلے کو دیکھے تو بجائے کسی دنیوی یا معاشرتی نعرہ کے "لبیک لبیک" کا نعرہ بلند کرے تاکہ باہمی یکسانی کے ساتھ انکی بندگی میں بھی یکسانی رہے اور ایک ہی متواضعانہ اور سرفروشانہ انداز سے ایک دوسرے کے سامنے آئیں خواہ وہ حکمران ملک اور سربراہانِ ریاست ہوں یا عوام الناس اور پبلک میں ہوں، ظاہر ہے کہ جب اس طرح لاکھوں لاکھ انسانوں کی ایک ہی فقیرانہ وردی، ایک ہی سب کی نقل وحرکت، ایک ہی عمل، ایک ہی مرکز، اور ایک ہی رخ ہو گا تو کیسے ممکن ہے کہ اس مساویانہ انداز میں ہو کر ان میں اونچ نیچ کا کوئی تصور بھی باقی رہے، دنیا کی کوئی قوم اس عملی مساوات کا نمونہ دکھلائے تو سہی کہ ایسی بین الاقوامی مساوات کس میں ہے اور ظاہر وباطن کی برابری اور ہمواری کا ایسا سچا مظاہرہ کس نے کر کے دکھلایا ہے، یا دکھلا سکتی ہے ۔۔۔۔

پھر اسی کے ساتھ سب کی پارسائی اور زہد وقناعت کا یہ عالم کہ گھر وبار چھوڑے ہوئے زر ومال بقدر ضرورت ہی لئے ہوئے، نہ رسمی عزت وجاہ کا تصور، نہ کسی پر کسی کو بڑائی کا زعم، نہ کسی میں اونچ نیچ کا وہم، نہ کسی کی زبان پر کوئی فحش وبے حیائی کا کلمہ نہ آپس میں جھگڑا اور نزاع، نہ جدال وقتال بلکہ قلبی طور پر ایک دوسرے کے ساتھ گرویدگی، خدمت باہمی کا جذبہ، ایثار وقربانی کا ہمہ وقت تصور، اور ہر ایک میں بجائے اونچ ہونے کے تواضع اور فروتنی کا غلبہ اور بجائے نیچ ہونے کے غناء وتوکل کا جذبہ، رسمی کر و فر اور ٹھاٹھ باٹھ سے کوسوں دور سادگی اور بے تکلفی سے مخمور، اسی ایک کی محبت میں چور چور، اسی کو پکارنا، اسی ایک سے مانگنا، اور اسی ایک کے آگے جھکنا جو سب کا ایک ہی مرکز حقیقی، اصل وجود اور خالق ومالک ہے، اور اسی کے اس بین الاقوامی گھر کے ارد گرد گھومنا جو سب کا مرکز ظہور، سب کی مادی اصل اور سب کے لئے مرکز کشش ہے۔

دنیا کی کوئی قوم قلوب کی یہ یکسانی، قوالب کی یہ مساوات، افراد انسان کی یہ عالمی موانست، اور اولاد آدم کی یہ عالمی اخوت دکھلائے تو سہی کہ کہاں ہے، جو اسلام اور مسلم نے اپنے رب سے جڑ کر دکھلائی، اور نہ خود ہی دکھلائی بلکہ اسی نے دنیا کو یہ سبق دیا کہ اونچ نیچ کا مٹانا نعروں سے نہیں بلکہ عملاً یوں

ہوتا ہے اور کبر و غرور کا سر اسطرح توڑا جاتا ہے۔

اسی توجہ الی اللہ اور یک رخی کا قدرتی اثر ہے کہ اس لاکھوں لاکھ کے مجمع میں جس میں مرد اور عورت مساوات کے ساتھ ایک جگہ ایک مقام پہ جمع ہوتے ہیں، نہ کہیں فحش کا نشان ہوتا ہے، نہ بے حیائی کا وہم و گمان، نہ معصیت کاری کا کوئی داعیہ، نہ کسی کی حق تلفی کا کوئی جذبہ دلوں میں بھی امن و سکون اور باہر بھی امن و سکون، نہ مار دھاڑ ہے۔ نہ طبقہ وارانہ فساد، نہ نزاع و جدال ہے، نہ قتل و قتال، نگاہوں میں پاکی اور دلوں میں حق شناسی، اور ساتھ ہی ساتھ عبادت اور اللہ سے وابستگی،

ع۔ یوں ہم بکس نہ گفتہ ساغر و سنداں دہ فوں

عملاً دکھلا دیا جاتا ہے کہ معاصی اور گناہوں سے کیونکر بچا جاتا ہے۔ اور انسانی ہمدردی اور مساوات کو عبادت کے ساتھ کسطرح بروئے کار لایا جاتا ہے۔

پھر حج میں یہ عالمی اخوۃ و مساوات محض لفظی یا اخلاقی حد تک محدود نہیں رکھی گئی بلکہ اس کے ساتھ تعاون باہمی ضرورتمندوں کے لئے مالی اعانت و ہمدردی کا سلسلہ بھی قائم فرمایا گیا ہے۔ تاکہ یہ اخوۃ و مساوات ہر نہج سے مستحکم ہوتی رہے اور اس حسن سلوک اور احسان عام سے دنیا کے ہر خطے کے مسلمان دوسرے ملک کے مسلمانوں کے ساتھ منت پذیری اور احسان شناسی کے ساتھ مربوط ہوں، کیونکہ خصوصیت سے اس طویل و عریض سفر میں صرف امراء ہی نہیں آتے بلکہ غرباء بھی شامل ہوتے ہیں۔ بلکہ اکثریت غرباء ہی کی ہوتی ہے۔ جو اپنے ذوق و شوق سے کسی نہ کسی ضروری حد تک ہی سامان سفر مہیا کر کے پہنچ پاتے ہیں، ہو سکتا ہے کہ ان کے پاس رقم کی قلت ہو جائے اور وہ اپنی بعض واجبی ضروریات بھی پوری نہ کر سکیں اور تکلیف میں مبتلا ہو جائیں یا ضرورت کی حد تک رقم ہو مگر اچانک کوئی غیر معمولی ضرورت پیش آ جائے جو ان کی برداشت سے باہر ہو جیسے بیماری اور دوا دارو وغیرہ کی پریشانی، یا یہ بھی نہ ہو مال چوری چلا جائے اور وہ غنی ہوتے ہوئے بھی اس سفر غربت میں فقیر بن جائیں اور مستحق امداد بن جائیں، یا ان میں سے کوئی بھی صورت پیش نہ آئے وقتی حالات کے لئے تالیف قلوب ہی ضروری ہو جائے ان تمام احوال کے پیش نظر حدیث نبویؐ نے یہ کہہ کر ان کی مالی اعانتوں کی ترغیب دی کہ حرم محترم میں جو بھی غریبوں پر خرچ کیا جائے گا تو اس کا اجر ایک لاکھ گنا ہوگا یعنی ایک روپے کا صدقہ ایک لاکھ روپے کے صدقہ کے مساوی ہوگا جس کا حاصل یہ ہے کہ غیر حرم میں جو تزکیۂ نفس یا رذیلۂ بخل سے پاکی اور غنائے نفس کا ملکہ ایک لاکھ روپیہ صدقہ دیکر پیدا ہوتا ہے۔ وہ حرم محترم میں ایک روپیہ دیکر ہو جائے گا، اور روحانی ترقی کے درجات ایک سے ایک لاکھ تک یکدم پہنچ جائیں گے، سو کون ہوگا کہ اس ترغیب کے بعد اس بہتی ہوئی سبیل میں ہاتھ تر نہ کرے ۔۔۔ پھر قرآن کریم

نے حج کی قربانیوں تک میں جو مناسک حج میں سے ہیں۔ غرباء اور ضرورتمندوں کی رعایت فرمائی اور اس حسنِ سلوک کا سلسلہ بھی عالمی بنا دیا، ارشادِ حق ہے :

فکلوا منھا واطعموا البائس الفقیر۔ (سو ان قربانیوں کے جانوروں میں سے) خود بھی کھاؤ اور مصیبت زدہ محتاج کو بھی کھلاؤ۔

غرض حج میں جیسے عالمی اخوۃ و مساواۃ رکھی گئی ہے۔ ویسے ہی مالی تعاون کو بھی بین الاقوامی بنا دیا گیا ہے۔ کیونکہ مصیبت زدہ فقیر میں کسی ملک یا وطن کی تخصیص نہیں فرمائی گئی کہ وہ عرب کے ہوں یا عجم کے بلکہ دنیا کے کسی خطہ کے بھی ہوں سب اس میں داخل ہیں۔

سوال یہ ہو سکتا ہے کہ ایک شخص صدقہ و خیرات کا جذبہ بھی رکھتا ہے۔ اور غریبوں کی مدد بھی کرنا چاہتا ہے۔ لیکن نقد رقم اس کے پاس اتنی نہ ہو کہ وہ یہ جذبہ پورا کر سکے۔ تو قرآنِ حکیم نے اس صورتِ حال کو سامنے رکھ کر اس کی بھی اجازت دی کہ اگر کوئی مالِ تجارت ساتھ لے جا کر فروخت کر سکے جس سے اپنی اور اپنے دوسرے بھائیوں کی ضرورتیں پوری ہوتی ہوں تو اس پر کوئی گناہ نہیں اور نہ اس عبادت میں اس سے کوئی فرق پڑے گا۔ ارشاد فرمایا گیا :

لیس علیکم جناح ان تبتغوا فضلا من ربکم۔ (اگر حج میں کچھ اسبابِ تجارت ہمراہ لے جانا مصلحت سمجھو تو) تم کو اس میں بھی ذرا گناہ نہیں کہ (حج میں) معاش کی تلاش کرو۔ (جو تمہاری قسمت میں) تمہارے پروردگار کی طرف سے (لکھا ہے)۔

دوسری جگہ اک دوسرے عنوان سے اسی اجازت کو اس طرح دوہرایا گیا ہے کہ اس میں ترغیب ——— دینے کی شان بھی پیدا ہو گئی، جہاں ابراہیم علیہ السلام کو حج کا اعلان عام کر دینے کا امر فرمایا گیا ہے وہیں یہ بھی ارشادِ حق ہے، فرمایا :

لِیَشْهَدُوْا مَنَافِعَ لَهُمْ۔ (اس اعلانِ عام سے لوگ پیدا) اور دبلی پتلی اونٹنیوں پر جو دراز راستوں سے پہنچی ہوں گی چلے آئیں گے) تاکہ وہ اپنے فوائد کے لئے آموجود ہوں۔

یہاں منافع کا لفظ عام ہے جس میں اولیت کے ساتھ حج کے اخروی منافع جیسے رضاء خداوندی اجر و ثواب اور آخرت کی ترقی درجات بھی داخل ہیں، اور ثانویت کے ساتھ دنیوی منافع جیسے قربانی کا گوشت کھانا اور کھلانا اور تجارت یا صنعت و حرفت یا [illegible] وغیرہ سے مالی [illegible] بھی شامل ہیں۔ یوں قرآن [illegible] حج کے [illegible] سلسلے عالمی [illegible] و [illegible] کے رشتے [illegible] دیئے۔

ہی عالمی تجارت اور بین الاقوامی انداز سے صنعت و حرفت کے منافع کا راستہ بھی ہموار فرما دیا تاکہ یہ اخوت و مساوات حسن سلوک کی مضبوط بنیادوں پر قائم رہے اور عالمگیر طریق پہ امداد باہمی اور تعاون باہم کے سلسلے جاری رہیں تاکہ مسلمانوں کے روابط صرف اپنے ہی ملک کے مسلمانوں تک محدود نہ رہ جائیں بلکہ دنیا کے آخری کناروں تک پہنچیں اور بین الاقوامی بنیں۔

بہرحال حج ایک بین الاقوامی عبادت، بین الاقوامی مساوات، بین الاقوامی اخوت، اور بین الاقوامی تعاون کا ایک بے مثال اور عظیم المرتبت نمونہ ہے۔ جس میں مرکز بھی ایک، عمل بھی ایک، فکر بھی ایک، لباس بھی ایک وضع و ہیئت بھی ایک، رُخ بھی ایک، محبت بھی ایک اور سب کی انسانیت بھی ایک ہو کر سامنے آتی ہے، اور اونچ نیچ، چھوت چھات، نفرت و حقارت باہمی کا بیج تک مارا جاتا ہے پس جو قومیں آج مساوات، اور بھائی چارگی کی لفظی رٹ لگا رہی ہیں، وہ قرآن کے دئیے ہوئے اس نمونۂ مساوات کو سامنے رکھ کر عبرت پکڑیں، ورنہ مساوات اور بھائی چارہ کے نمائشی دعوے زبان پر نہ لائیں۔ وہ صرف مساوات، اخوت اور بھائی چارہ کے الفاظ رٹتے ہوئے ہیں اور شاید وہ بھی اسلام ہی کی اس عام پکار اور دعوت کی بدولت کہ "کلکم بنو آدم و آدم من تراب۔" تم سب اولادِ آدم ہو اور آدم مٹی سے پیدا کئے گئے، تم میں نہ کوئی سورج کی اولاد ہے، نہ چاند کی، نہ کوئی سونے سے بنا ہوا ہے، نہ چاندی سے، نہ کوئی خدا کے منہ سے نکلا ہوا ہے۔ نہ اس کے پیروں سے بلکہ سب اسکی مشیئت و تخلیق سے ایک ہی جوہر سے اور ایک ہی باپ کی اولاد سے پیدا شدہ ہیں اور آپس میں بھائی بھائی ہیں، اور اسلام ہی کے نعرہ کی بدولت کہ ان الناس کلھم اخوۃ۔ انسان سارے کے سارے آپس میں بھائی بھائی ہیں، اخوت و محبت کے لئے بنائے گئے ہیں۔ وہ لوگ چاند سورج کی اولاد بنکر انسانوں کو اخوت و مساوات کا درس نہیں دے سکتے بلکہ آدم ثانی کی اولاد ہو کر اور آدمیوں میں ملکر ہی یہ سبق پڑھا سکتے ہیں۔ وہ بہت سے خداؤں کے بندے بنکر دنیا کو ایک مرکز پہ جمع نہیں کر سکتے بلکہ ایک اور صرف ایک واحد قہار اور بے مثل و یکتا خدا کے بندے بن کر ہی وحدت اور مرکزیت کے نقطہ پہ لا سکتے ہیں۔ کیونکہ اسی خدا نے واحد و بے ہمتا نے عالمی اخوۃ اور محبت کے لئے دنیا میں تین مرکز کلام اللہ، بیت اللہ، اور رسول اللہ بھیجے ہیں۔ جنہیں عالمی مرکزیت دی ہے۔

قرآن کو "ذکرٰی للعلمین" بتلایا، بیت اللہ کو ھدی للعلمین۔ فرمایا اور حضرت خاتم الانبیاء کو رحمۃ للعلمین کہا۔ قرآن سے عالمگیر ہدایت بصورت قانون حق پھیلی، بیت اللہ سے عالمگیر اخوت و مساوات بصورت حج اُبھری، اور نبی خاتم سے عالمگیر رحمت و محبت اور انسانیت بصورت

عمل سامنے آئی۔

اس لئے جو قومیں بھی صحیح ہدایت، صحیح اخوت ومساوات اور صحیح انسانیت انسانوں میں دیکھنا چاہتی ہیں، انہیں ان تین مرکزوں سے چارۂ کار نہیں ہے اور یہ پاک پونجی انہیں ان ہی تین دروازوں سے مل سکتی ہے۔ اگر تعصبات کو چھوڑ کر طلب صادق کے ساتھ ان کے سامنے آئیں گی تو بلاشبہ کامیاب واپس ہونگی۔ حاصل یہ کہ حج جیسے بین الاقوامی اور اجتماعی رنگ کی عبادت ہے۔ ویسے ہی عالمی اخوت ومساوات اور عالمی امداد باہمی کا سرچشمہ بھی ہے۔

قرآن حکیم نے اخوت ومساوات کا ایک مستقل قانون دیا ہے جس کا ایک اہم پہلو حج کی عبادت میں بھی مضمر تھا۔ اس لئے موضوع کی رعایت سے اسی پہلو کو اس مختصر خطاب اور اس قلیل وقت میں ظاہر کرنا مقصود تھا ورنہ حج کے سلسلے میں دینی اور دنیوی فوائد ومنافع کی فہرست اس سے کہیں زیادہ طویل ہے، اتنی نہیں کہ ان چند سطروں میں سما سکے اس کے لئے دفتر درکار ہیں۔

وباللہ التوفیق۔

صاحب مدظلہٗ دوسرے علماء کے ہمراہ شانہ بشانہ رہے اور اس مسئلے کی جملہ کوششوں میں سردھڑ کی بازی لگاتے رہے۔

آپ نے تبلیغ دین، اسلامی تعلیمات اور علوم عربیہ کی پاکیزہ اقدار قائم رکھنے کیلئے ان گنت کوششیں کی ہیں۔ اسی اصول کے پیش نظر آپ نے مختلف عربی مدارس کی سرپرستی فرمائی۔ جن مدارس کے ارباب نظم ونسق شکستہ خاطر تھے ان کی حوصلہ افزائی فرمائی۔ اور جو تعاون چاہتے تھے ان کی امداد کی۔ اس وقت کئی مدارس عربی آپ کی زیر نگرانی علوم وفنون کی ترویج واشاعت کا فرض ادا کر رہے ہیں۔ ان میں قابل ذکر یہ ہیں۔

۱۔ دارالعلوم کبیر والا ۔ ۲۔ مدرسہ قاسم العلوم فقیروالی ۔ ۳۔ مدرسہ فرقانیہ راولپنڈی ۔
۴۔ مدرسہ عثمانیہ ڈھوک شاہی محلہ راولپنڈی ۔ ۵۔ مدرسہ سراجیہ فورٹ عباس ۔ ۶۔ دارالعلوم مجددیہ مانکی ترنیب ۔ ۷۔ مدرسہ سعدیہ خانقاہ سراجیہ۔

اس کے علاوہ آپ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کی مجلس عاملہ کے ممبر بھی ہیں۔ مشہور آئین شریعت کانفرنس لاہور کے اجلاس کی صدارت کی۔

جناب ریاض الحسن نوری

قرآن خدا کا قول ہے اور کائنات خدا کا فعل۔ سائنس اس کائنات کے اصولوں کو مادی طور پر سمجھنے کی کوشش کا نام ہے۔ سائنس کی صحیح اور مسلمہ چیزوں، اور قرآن کی صحیح تفسیر میں تضاد کا کوئی سوال نہیں، کیونکہ اس کے فعل اور قول میں کوئی تضاد نہیں ہو سکتا۔ تضاد اور غلط فہمی اس وقت پیدا ہوتی ہے۔ جبکہ خود ہمارا علم ناقص ہو۔

قرآن کے فہم میں ہمارے علم کا نقص کئی وجوہ سے ہوتا ہے۔ کبھی سلف صالحین کے اقوال سے روگردانی کرنے یا ان کی تمام آراء پر محیط نہ ہونے کی وجہ سے، کبھی صحیح ضعیف اور موضوع روایات میں ٹھیک طور پر تمیز نہ کرنے اور اس جانچ میں درایت سے کام نہ لینے سے ہم قرآنی حقائق کا مکمل اور صحیح شعور نہیں کر پاتے۔ بعض اوقات ہٹ دھرمی اور تعصب یا اباحت پسندی کی وجہ سے بھی کچھ لوگ الٹی سیدھی تفسیریں کرنے لگتے ہیں۔

ایک سائنسی تحقیق کی فقہی افادیت بعض صورتوں میں ایسا بھی ہوتا ہے کہ کسی فن سے ناواقفیت یا کسی تحقیق کے متعلق انسانی علم کی کمی کی وجہ سے بھی تسامح ہو جاتا ہے۔ مثلاً خمر سے حضرت امام ابو یوسفؒ صرف انگوری شراب مراد لیتے تھے۔ اس کے برعکس دوسرے ائمہ حتیٰ کہ حضرت امام محمدؒ بھی انگور کے علاوہ اثمار و اجناس کی شرابوں کو بھی خمر میں داخل سمجھتے تھے۔ آخر کار موجودہ سائنس نے اس بحث کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ کر دیا ہے۔ تمام پھلوں اور اجناس سے بننے والی شراب جن میں نشہ آور جزء ایتھائل الکوحل (Ethyl Alcohol) ہوتا ہے، وہ خمر کے ذیل میں آئے گی۔ لیکن دوسری منشیات جن میں نشہ آور جزء الکوحل نہیں ہوتا، ان کا مسئلہ مختلف ہوگا، مثلاً بھنگ، افیم وغیرہ کی تھوڑی سی مقدار یا اس کے مثل (یعنی غیر نشہ آور مقدار) حرام نہ ہوگی۔ بلکہ حرمت اور حد صرف نشہ کی صورت میں واجب ہوگی۔ لیکن الکوحل کے ایک قطرہ کا استعمال بھی ناجائز ہے۔ خواہ وہ عملاً نشہ طاری نہ کر سکے۔ یہ ایک مثال ایسی ہے جس میں سائنس کی ایک تحقیق اہل فقہ کے لئے

معادن ثابت ہوئی۔

لیکن جو حضرات سائنس باقاعدہ نہیں پڑھتے، یا صرف سنی سنائی سطحی، اور ادھوری معلومات رکھتے ہیں، وہ بعض امور میں حکم لگاتے ہوئے غلطی کر جاتے ہیں۔

ایک سعی ناتمام | سائنس بجائے خود مادی حقیقتوں کی تلاش کی سعیٔ ناتمام اور ایک سفر مسلسل ہے۔ سائنس کے سامنے جب کسی مسئلے پر کافی مواد جمع ہو جاتا ہے اور کسی حقیقت کی جھلک محسوس ہونے لگتی ہے تو قیاس اور مفروضہ (Hypothesis) نمودار ہوتا ہے۔ پھر جب بہت سے سائنس دان اس کو تسلیم کر لیتے ہیں۔ اور اس کے مزید ثبوت مل جاتے ہیں تو اس کو نظریہ (THEORY) کا مقام دے دیا جاتا ہے۔ پھر جب ایک لمبے عرصے تک اس نظریئے کے پے در پے ثبوت دنیا بھر میں پہنچتے رہتے ہیں اور سب سائنس دان اس سے متفق ہو جاتے ہیں تو اس نظریئے کو قانون (LAW) کا رتبہ دے دیا جاتا ہے۔ اصولی طور پر قانون بننے کے بعد اس نظریئے میں تبدیلی یا ترمیم نہیں ہونی چاہیئے۔ لیکن کیا کیجیئے کہ انسانی علم ہے ہی اتنا ناقص کہ قانون بنانے کے بعد بھی ترمیمات ہونے کی بہت سی مثالیں ملتی ہیں۔ ایک زمانے میں قانون (GRAVITATIONAL LAW) کو ترمیم سے بالاتر سمجھا جاتا تھا۔ لیکن آئنسٹائن نے آکر اس کو بھی ناقص قرار دیکر اس میں ترمیم کر ڈالی۔ سر جیمز جین کے نزدیک بیسویں صدی کی سب سے بڑی دریافت یہی آئنسٹائن کی تھیوری ہے۔ لطف یہ ہے کہ قانون کو تھیوری نے لرز ڈالا۔ حالانکہ تھیوری قانون سے کم درجہ پر ہوتی ہے۔ واضح رہے کہ نظریۂ اضافیت کو بھی قانون کا مقام نہیں دیا جا سکا۔ اس طرح سائنس آہستہ آہستہ بھٹک بھٹک کر تلاش حقیقت کے راستہ پر رینگ رہی ہے۔

غیر سائنس دانوں کی سائنس پرستی | جو لوگ سائنس کے اس پورے نشو و ارتقاء سے واقف ہیں، وہ جب آرٹس کی ڈگریاں لینے والے اصحاب کی سائنسی تھیوریوں کو (مثلاً ڈارون تھیوری) قرآن پر ٹھونسنے کے لئے کوشاں دیکھتے ہیں تو اس طرح اس طفلانہ مشغلے پر ان کو ہنسی آجاتی ہے۔ قرآن کو مغربی نظریات کے تابع بنانے کے لئے جن حضرات نے پچھلے پچاس برس میں سرگرمی دکھائی اور ان میں جو ٹیم آج میدانِ میں معرکہ آرا ہے۔ یہ سب لوگ سائنس کی تسبیح پڑھتے ہیں۔ مگر اپنے زمانۂ تعلیم میں سائنس سے فرار

لہ اب تو مغربی محققین میں مخالفین نظریۂ ارتقاء (Anti Evolutionists) کا گروہ بھی پیدا ہو گیا ہے۔ تفصیل کے لئے دیکھئے:

(Comparative Religions By A.C. Bouquet)

کرکے انہوں نے آرٹس میں ڈگریاں لیں۔ پس یہ حضرات نہ تو اسلام سے کما حقہٗ واقف ہیں اور نہ سائنس سے (البتہ سائنس سے مرعوب ضرور ہیں) اور رٹ دونوں کی لگاتے ہیں سے

ناطقہ سر بگریباں ہے۔ اسے کیا کہئے

ایک چھوٹا سا اہم انکشاف | عام طور پر یہ خیال کیا جاتا ہے کہ یونانی سائنس کے بانی یونانی تھے لیکن جدید کھدائیوں سے معلوم ہوا ہے کہ یہ صحیح نہیں۔ بابل اور اس کے ارد گرد کے لوگ (جس علاقے میں حضرت ابراہیمؑ پیدا ہوئے) EUCLID کے مشہور تکونی مسئلہ کو Euclid سے سترہ سو سال پہلے جانتے تھے۔ ان کی بنائی ہوئی تکونی شکلیں جو مٹی کی تختیوں پر دستیاب ہوئی ہیں، اس بات کا ناقابل تردید ثبوت ہیں[1]

قدیم بیٹری سیل | مزید سنئے کہ ہمارے پیغمبروں کی سرزمین میں مشہور شہر بغداد کے قریب سے بجلی کا ایک سیل (CELL) کھدائی میں نکلا ہے۔ جس کا حال جارج گیمو (George Gamow) مشہور ایٹمی سائنس دان نے لکھا ہے۔ اور یہ رائے قائم کی ہے کہ بجلی کے سیل اس زمانے میں زیورات پر سونے کا پالش پڑھانے کے لئے استعمال ہوتے تھے۔ بعد میں یہ علم دنیا سے ناپید ہو گیا۔ اور پھر زمانہ قریب میں (DOTTORE GALVANI) نے اس کو دوبارہ دریافت کیا۔

انبیاء کے متعلق شواہد | کچھ عرصہ پہلے تک تاریخ کے ماہرین حضرت ابراہیمؑ اور حضرت یوسفؑ وغیرہ کے واقعات کو محض افسانہ قرار دیتے تھے اور کہتے تھے کہ ان شخصیتوں کے وجود کا کوئی تاریخی ثبوت موجود نہیں۔ لیکن زمانہ حال کی کھدائیوں سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ یہ پیغمبر تھے اور ان جلیل القدر حضرات نے تبلیغ کے کارہائے نمایاں انجام دئے۔ حضرت ابراہیمؑ ایک بین الاقوامی پیغمبر تھے۔ اور انہوں نے ایشیا اور افریقہ کے براعظموں میں بہت سے تبلیغی سفر کئے۔ امریکہ کے رسالہ لائف نے اپریل ۱۹۶۵ء میں جو بائبل نمبر نکالا تھا۔ اس میں کہا گیا ہے کہ اس کا ثبوت بہم پہنچ چکا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کے سفر کسی تجارتی اور دنیوی مقصد کے لئے نہ تھے، بلکہ صرف مذہبی مقاصد کے لئے تھے۔

موجودہ دور میں خود بائبل کے علمبرداروں نے بائبل کے بہت سے مندرجات کو غیر صحیح تسلیم کر دیا ہے۔ مثلاً بائبل میں لکھا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے اپنی جان بچانے کے لئے اپنی بیوی کو بہن کہہ دیا تھا۔

---

[1] ملاحظہ ہو نیویارک ٹائمز مورخہ ۸ر جنوری ۱۹۵۰ء [2] ملاحظہ ہو اس کی کتاب "سورج کی پیدائش اور موت" BIRTH & DEATH OF THE SUN. P.29,30

لیکن اب آپ کے معاشرہ کے قومی قوانین کی جو تختیاں برآمد ہوئی ہیں، ان سے یہ پتہ چلتا ہے کہ ان کے قبیلہ میں قاعدہ یہ تھا کہ جب کوئی معزز سردار بوڑھا ہوجاتا تھا تو وہ اپنی بیوی کو بہن کا لقب دے دیتا تھا، اور اس معروف روایت کو باعث اعزاز سمجھا جاتا تھا۔ پس جب مصر میں آپ نے اپنی بیوی کو بہن کہا تو اس کا مطلب حقیقی معنوں میں بہن قرار دینا نہ تھا۔ اور نہ مقصد جان بچانا تھا، بلکہ انہوں نے اہل مصر پر اپنا خاندانی مرتبہ واضح کیا کہ وہ قبیلہ کے شیوخ میں سے ہیں۔ لیکن جب سینکڑوں سال بعد لوگوں نے بائبل لکھنا شروع کیا۔ اس وقت پچھلی روایات و اصطلاحات ختم ہوچکی تھیں۔ اور قانون بدل چکے تھے۔ پس حضرت ابراہیمؑ کے متعلق جو روایت تورات میں چلی آرہی تھی اس کی انہوں نے قیاساً ایک غلط توجیہہ کر ڈالی[1]۔ رسالہ لائف کے خاص نمبر میں اس واقعہ کے علاوہ حضرت یعقوبؑ کے متعلق بائبل کی اس روایت کو بھی غلط قرار دیا گیا ہے۔ کہ انہوں نے (نعوذ باللہ) اپنے ماں باپ کو دھوکہ دیکر نبوت حاصل کی[2]۔ اور جدید تحقیقات سے حاصل شدہ ثبوت فراہم کرکے آپ کو اور آپ کی والدہ کو فریب دہی کے الزاموں سے بری ثابت کیا ہے۔ جو بائبل میں[3] لگائے گئے تھے۔

ایک روسی سائنسدان کے مطالعات | مغربی سائنس دانوں کے انکشافات اور ان پر مبنی قیاسات سے اتنی حیرت نہیں ہوتی جتنی کہ بعض نئے روسی سائنس دانوں کی دریافت سے ہوتی ہے۔ اب روسی سائنس دان بھی خدا اور بائبل کا ذکر کرنے لگے ہیں۔ اس سلسلے میں پراگریس پبلشرز ماسکو کی شائع کردہ ایک کتاب بڑی دلچسپ ہے۔ جس کا نام "بہ جادۂ انکشاف" (ON THE TRACK OF DISCOVERY) ہے۔

اس کتاب میں روسی ماہر طبیعات "میتسٹ اگریسٹ" (MATEST AGREST) لکھتا ہے۔ کہ نیچر کے دائرے میں بہت سے ناقابل حل عجائبات ہیں اور ان کی تعداد سائنس کی ترقی کے ساتھ ساتھ بڑھتی جارہی ہے۔

قدیم باتوں کی نئی توجیہات | اس کی مثال دیتے ہوئے اس نے بتایا ہے کہ دنیا کے بعض حصوں میں شیشہ نما عجیب چیزیں پائی گئی ہیں جن کو TEKTITES کہا جاتا ہے۔ ان میں ریڈیائی الونیم اور بریلیم پائی جاتی ہے۔ ان کے متعلق اب تک کے قائم کردہ نظریات تسلی بخش نہیں ہیں ـــــ اور

---

[1] یہ تو ضروری نہیں کہ ہم مسلمان براہ راست خود ماخذ کی تحقیق کے بغیر متذکرہ تحقیق کی جانچ کئے بغیر اسے جوں کا توں تسلیم کرلیں، مگر اس سے یہ ضرور ثابت ہوجاتا ہے کہ بائبل کے بیانات انبیاء تک کے متعلق غیر یقینی ہیں ـــــ

TEKTITES کا وجود آج تک معمہ بنا ہوا ہے۔ پھر یہ خالص مادیت پرست اور عقلیت زدہ معاشرے کا سائنس دان پرانی مذہبی اور روایتی داستانوں LEGEND کو اہمیت دیتے ہوئے کہتا ہے کہ بہت ہی پرانی کہانیاں ہم کو ملتی ہیں، جن میں لوگوں کے آسمانوں پر جانے اور آسمانی لوگوں کے زمین پر آنے کا ذکر ملتا ہے۔ اس طرح بائبل میں جو کہ سب سے پرانی لکھی ہوئی چیزوں میں سے ہے، ہم یہ درج پاتے ہیں کہ قدیم زمانے میں زمین پر جن، دیو رہتے تھے۔ (GEN. CH 604) ؎

ایسی ہی ایک اور مثال پر بحث کرتے ہوئے، روسی طبیعات دان کہتا ہے، کہ زمانۂ قدیم کے لوگ بہت ہی ایسی باتیں جانتے تھے، جو ہمارے علم کے مطابق صرف پچھلے سو سال کے عرصے میں ایجاد ہونے والے جدید آلات سے ثابت کی جا سکتی ہیں۔ ان میں سے ایک قابلِ غور بات یہ ہے کہ مشتری کے گرد جو چاند گھوم رہے ہیں۔ ان کا ذکر ہم کو جدید سائنسی دریافت سے بہت پہلے کی روایات میں ملتا ہے۔ یہ سائنسی دریافت ۱۸۷۷ء میں ASAPH HALL نے کی حقیقت میں فرانسیسی ماہر فلکیات Bailley نے اس روایت کو بنیاد بنا کر یہ رائے دی ہے کہ قدیم زمانے میں ایک قوم ایسی گزر چکی ہے۔ جو فلکیات کے علم میں ید طولیٰ رکھتی تھی۔ یہ قوم ناپید ہو چکی ہے۔ یہی نظریہ مشہور جرمن ماہر فلکیات ریاضی کارل گاس (CARL GAUSS) نے اپنے لیکچروں میں ۱۸۱۹ء میں بیان کیا تھا جو اس نے نظریاتی فلکیات Theorical Astronomy کے موضوع پر دیئے تھے۔

سنگین معمے | بڑی بڑی جسامت STRUCTURES کے قدیم کھنڈرات دنیا کے مختلف حصوں میں ملتے ہیں، جو عقلِ انسانی کے لئے معمہ بن کر رہ گئے ہیں۔ مثال کے طور پر مشہور تاریخی ہیکل Thilithau جو بعلبک میں Anti-Lebrion پہاڑوں کے دامن میں واقع ہے، جو بڑے بڑے پتھروں سے بنا ہوا ہے۔ جو ذرا بھدے طور سے تراشے گئے ہیں۔ ان میں سے بعض ۲۰ میٹر (63 فٹ) لمبے ہیں اور جن کا وزن ایک ہزار ٹن سے۔

یہ بھاری پتھر ایک کان سے کاٹے گئے تھے۔ اور زمین سے ۷ میٹر (قریباً ۲۲ فٹ) اوپر اٹھائے گئے تھے۔ یہ ایسا کام ہے، جو کہ موجودہ دور کے سائنس والوں کے لئے اپنے تمام آلات کی مدد سے بھی کٹھن ہے۔ ایک ایسا ہی بڑا پتھر جو ۲۱ میٹر (۶۵ فیٹ) لمبا اور ۴۸ میٹر (۱۶۰ فٹ) چوڑا اور ۴.۲ میٹر (۱۴ فٹ) اونچا ہے۔ یہ پتھر تراشا تو گیا ہے۔ لیکن چٹان سے کاٹ کر بالکل علیحدہ نہیں کیا گیا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جن لوگوں نے اس کو تراشا وہ اُسے یونہی کان میں چھوڑ کر چلے گئے روسی مصنف کا اندازہ ہے کہ چالیس ہزار آدمی مل کر اس کو اپنی جگہ سے بمشکل کھسکا سکتے ہیں۔ وہ سوال یہ

اٹھاتا ہے کہ ان جناتی چٹانوں کو کس نے کاٹا؟ کب اور کس مقصد کے لئے ؟ یہ ایک حل طلب معمہ ہے۔
آج بہت سی ایسی باتیں جو ناقابلِ یقین اور بنیادی سمجھی جاتی تھیں، سچ ثابت ہو رہی ہیں۔ اور پھر یہ اعتراف
بھی کرتا ہے کہ تہذیب کی ترقی نے بار بار ہمیں اپنی تاریخی سمجھ بوجھ Historical Commonsense
پر نظر ثانی کرنے پر مجبور کیا ہے۔ اس لئے ان معموں اور دیگر معموں پر ہمارے مرتّب کردہ نظریات کی
روشنی میں دوبارہ نظر ڈالنے کی ضرورت ہے۔ اور ان سوالات کے جوابات تک پہنچنے کے لئے
نئے طریقوں سے کاوش کرنا لازم ہے۔ آخر کن لوگوں نے یہ بڑی بڑی عمارات بنائیں ۔؟

چالیس فٹ لمبے انسان اس بحث کو چھیڑ کر روسی ماہر طبیعات نے نظریہ پیش کیا ہے کہ یہ
بڑے بڑے پتھر ان لوگوں نے کاٹے ہیں، جو کسی زمانے میں مشتری سے زمین پر آئے تھے[۹] یہ کچھ عرصہ
یہاں ٹھہرے اور محیر العقول کام کئے۔ خوش قسمتی سے سائنس دان مذکور کو ایک غار میں ایک ڈرائنگ
بھی مل گئی جو مصنّف کی رائے میں خلا بازوں (spaceman) کے لباس میں ملبوس شخص سے ملتی جلتی
ہے۔ اور ۶ میٹر (۲۰ فٹ) لمبی ہے۔ تصویر چونکہ آدھے بالائی حصہ جسم کی ہے، اس لئے اندازہ کیا گیا
ہے کہ ان لوگوں کا قد تقریباً ۴۰ فٹ تھا۔[۱۰]

مسلمانوں کے نقطۂ نظر سے لیکن اس کے برعکس جب مسلمانوں کے سامنے جناتی چٹانوں کا متذکرہ
معمہ آتا ہے جن کو روسی سائنس دان خود بھی جناتی چٹانوں کا نام دیتا ہے۔ تو قرآن کا علم رکھنے والا شخص فوراً
پکار اٹھے گا کہ یہ کام تو حضرت سلیمانؑ کے جنوں کا ہے۔ (چاہے وہ مشتری سے آئے ہوں یا زمین پر
رہنے والے ہوں۔) ذرا سورۂ سبا کی متعلقہ آیات کے ترجمے پر غور فرمائیے:

"اور سلیمانؑ کے لئے ہم نے ہوا کو مسخر کر دیا کہ اس (ہوا) کی صبح کی منزل ایک مہینہ بھر
کی (راہ) ہوتی اور شام کی منزل ایک مہینہ بھر کی (راہ) ہوتی۔ اور ہم نے اس کے لئے
تانبہ کا چشمہ بہا دیا اور جنات میں بعضے وہ تھے جو ان کے رب کے حکم سے ان کے
آگے کام کرتے تھے (اور ہمارا فیصلہ تھا کہ) ان میں سے جو شخص ہمارے (اس) حکم
سے سرتابی کرے گا، ہم اس کو (آخرت میں) دوزخ کا عذاب چکھا دیں گے۔ وہ جنات
ان کے لئے وہ وہ چیزیں بناتے جو ان کو (بنوانا) منظور ہوتا۔ بڑی بڑی عمارتیں اور پیکر
اور لگن (ایسے بڑے) جیسے حوض اور (بڑی بڑی) دیگیں جو ایک ہی جگہ جمی رہیں۔ اے
داؤد کے خاندان والو! تم سب شکر (ادا کرنے) کے لئے نیک کام کیا کرو، اور میرے
بندوں میں شکر گزار کم ہی ہوتے ہیں۔ پھر جب ہم نے ان پر موت کا حکم جاری کر دیا تو کسی

چیز نے ان کے مرنے کا پتہ نہ بتلایا، مگر گھن کے کیڑے نے کہ وہ سلیمانؑ کے عصا کو کھاتا تھا، سو جب وہ گر پڑے، تب جنات کو حقیقت معلوم ہوئی کہ اگر وہ غیب جانتے ہوتے تو اس ذلت کی مصیبت میں نہ رہتے۔"

تفسیری روایات میں لکھا ہے کہ حضرت سلیمانؑ ایک لمبے عرصہ تک لکڑی کے عصا کا سہارا لئے ہوئے اور جن آپ کو زندہ و سلامت سمجھ کر عمارتیں بنانے کا کام کرتے رہے۔ حتیٰ کہ جب دیمک نے عصا کو کھا لیا اور عصا کے ٹوٹنے سے آپ کا جسدِ مبارک گر پڑا تو اس وقت جنوں کو اندازہ ہوا کہ آپ وفات پا چکے ہیں۔ ان کی وفات کا علم ہوتے ہی سارے جن کام چھوڑ کر نو دو گیارہ ہو گئے۔

راقم کی رائے میں یہ چٹان اسی زمانے سے متعلق معلوم ہوتی ہے۔ اسی لئے ادھوری کان کے اندر رہ گئی ہے، ورنہ اس کو نامکمل چھوڑنے کی کیا وجہ ہو سکتی ہے۔ دیگر یہ کہ پتھر تراشنے کا کام قدرے بھدے طریقہ سے کیا گیا ہے۔ اس میں بہت اعلیٰ درجہ کی صفائی نہیں ہے۔ اس سے بھی یہی خیال پیدا ہوتا ہے کہ اس کام کو ماہر سنگ تراشوں نے نہیں بلکہ جنوں نے سرانجام دیا ہے۔

مسئلہ کا ایک اور پہلو: بعلبک کے متعلق ثابت ہے کہ وہ حضرت سلیمانؑ کے قلمرو میں شامل تھا۔ لیکن ہیکل سلیمانی کی طرح بعلبک میں آپ کا کوئی بلڈنگ بنوانا عام طور سے مشہور نہیں۔ لیکن اس مسئلہ پر مطالعہ کرتے ہوئے جب ہم نے یاقوت حموی کی معجم البلدان اٹھائی تو معلوم ہوا کہ حضرت سلیمانؑ نے بعلبک میں ملکہ بلقیس کے لئے محل بنوایا تھا۔ ان کے خاص الفاظ یہ ہیں:

ان بعلبك كانت مهر بلقيس	یعنی شہر بعلبک حضرت بلقیس کا مہر تھا۔
وبها قصر سليمان بن داؤد	وہیں حضرت سلیمان بن داؤد کا محل تھا، جو
عليهما السلام وهو مبني على	سنگ مرمر کی چٹانوں سے بنایا گیا تھا۔
اساطين الرخام۔	

غالباً ہیکل سلیمانی کی تعمیر سے فراغت کے بعد حضرت سلیمانؑ نے جنوں کو بعلبک میں محل بنانے کا حکم دیا ہوگا۔ یا ممکن ہے ساتھ ساتھ دونوں جگہ تعمیر چل رہی ہو۔ غرضیکہ قرآنی آیات سے اس ادھورے چٹانی پتھر کا معمہ صحیح طور پر حل ہو جاتا ہے۔ پھر قرآن میں (سورہ ص) حضرت سلیمانؑ کی اس دعا کا ذکر ہے:

قال رب اغفر لي وهب لي ملكا لا ينبغي لاحد من بعدي۔ (اے اللہ مجھے بخش دے اور ایسی حکومت عطا کر جو میرے بعد اور کسی کو نہ مل سکے) اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہوا اور جنوں وغیرہ پر ایسی حکومت دی کہ اس کے اثرات آج بھی روسی و دیگر سائنس دانوں کے لئے معمہ بنے ہوئے ہیں اور سب لوگ

انگشت بدنداں ہیں۔ وہاں بیس فٹ لمبی تصویر کا معمہ تو یہ تصویر ایک جن کی خیالی تصویر سے زیادہ ملتی جلتی ہے۔ اس کے علاوہ یہ تصویر تو خیالی بھی ہو سکتی ہے، لیکن نا مکمل چٹان تو حقیقت ہے۔ اس لئے اصل معمہ جناتی چٹانوں کا ہے، جو قرآنی آیات سے بہترین طور پر حل ہو جاتا ہے۔

علم کا نامعلوم دروازہ | بہت سی باتوں میں موجودہ زمانے کی سائنس اور اس کے پیدا کردہ فلسفی، مذہبی اور روحانی علوم کے مقابلے میں بری طرح پیچھے ہیں۔ مثلاً عمل انتقالِ خیالی (TELEPATHY) کے متعلق فرائڈ کوئی فیصلہ نہ کر سکا۔ کہ آیا یہ حقیقت ہے یا نہیں۔؟

ولیم جیمز نے بھی تذبذب کا موقف اختیار کیا ہے۔ لیکن آج کل نفسیاتی سائنس کے معلم ٹیلی پیتھی کو تسلیم کر چکے ہیں اور اس پر ریسرچ ہو رہی ہے۔ اس حقیقت کی کہیں اب جا کر ایک جھلک سائنس والوں کو نظر آئی ہے۔ الہامی معلمین اور روحانی عالم ہزاروں سال سے اسے جانتے برتتے اور پیش کرتے چلے آرہے ہیں اور ہمارے علم کلام میں انتقالِ خیالی اور علم پیشین سے لیکر الہام و القاء اور وحی تک ایک متفقہ حقیقت ہے۔

ابتداءِ عقیدۂ توحید سے ہوئی | اسی طرح اسلام، قرآن اور توریت کا نظریہ یہ ہے۔ کہ وحدانیت کو بنی نوع انسان شروع ہی سے تسلیم کرتے چلے آرہے ہیں۔ لیکن بعض سائنسدان اور جدید عقلیت پرست فلسفی اس کے منکر تھے، اور کہتے تھے کہ انسان پہلے پہل جس جس چیز سے خوف کھاتا تھا اس کو پوجتا تھا۔ اسی طرح اس نے بہت سے خداؤں اور دیوتاؤں کا تصوّر پیدا کر لیا۔ بعد میں آہستہ آہستہ ذہنی ارتقاء کے ذریعے وحدانیت کا ظہور ہوا۔

لیکن موجودہ زمانے میں افریقہ کے بعض محروم علم (PYGMY) قبائل جو ہمیشہ سے تہذیب و تمدّن اور باہر کی دنیا سے الگ تھلگ رہے۔ ان کا تحقیقی جائزہ لینے کے بعد معلوم ہوا ہے کہ ان میں بھی وحدانیت موجود ہے اور شروع سے چلی آرہی ہے۔ اس سے بعض نئے محققین اس نتیجہ پر پہنچے ہیں۔ کہ انسان شروع ہی سے ایک خدا کا قائل رہا ہے۔ (ملاحظہ ہو بوکوبیٹ کی کتاب Religion comparative ص ۴۲، ۴۳، ۴۴، Schmidt نے جو ڈھیروں ثبوت فراہم کئے ہیں، اس سے مغربی Anti Evolionists محققین کے نظریات کی تائید ہوتی ہے۔) گویا اسلام کے اس نظرئے کی تائید ہو رہی ہے کہ دراصل توحید ہی انسان کا اصلی مذہب تھا۔ اور بعد میں لوگ جب بگاڑ کا شکار ہوئے تو انہوں نے شرک کی راہیں نکالیں۔ ان کی اصلاح کے لئے بار بار پیغمبر آتے رہے اور لوگوں کو توحید کی راہ پر ڈالتے رہے۔ بنی اسرائیل کی تاریخ میں اس کے شواہد کثرت سے ملتے ہیں۔

سدومیوں کی تباہی کا واقعہ | قوم لوط کے مسکن Sodom اور گومورہ GOMORRAH کی تباہی کے جو واقعات بائبل میں درج ہیں ان کے بارے میں روسی سائنس دان پلشٹ اگریسٹ نے اپنی تصنیف میں یہ رائے ظاہر کی ہے کہ ان کی نوعیت ایٹمی دھماکے کی سی ہے۔ اس سلسلے میں اس نے واقعہ کی تفصیلات بیان کر کے اس میں ایسے پہلو اجاگر کئے ہیں جو ایٹمی دھماکے کی صورت میں نمودار ہوتے ہیں۔

غور فرمائیے کہ اس مادہ پرست اور ملحد سرزمین کا سائنس دان ہے۔ جہاں مذہب دشمنی ایک اصول کی حیثیت سے نافذ چلی آرہی ہے۔ اور پھر اس کا دائرہ تحقیق بھی خاص طور پر طبیعات ہے اور طبیعات کا موضوع مادّہ ہے۔ اب اسی سرزمین سے بائبل کی مذہبی روایات (جو صحیح ترین شکل میں قرآن میں مندرج ہیں) توثیق ہونے لگی ہے۔ اور وہ بھی مادی سائنس کے ذریعے۔ یہاں تک تو پہنچے یہاں تک تو آئے۔

ہواؤں کی بارآوری | قرآن میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وارسلنا الریٰح لواقح (ہم نے بارآور کرنے والی ہوائیں بھیجیں ۱۵-۲۲) اب علم نباتات والے جانتے ہیں کہ کس طرح ہواؤں کے ذریعہ نر درختوں کے (POLLENS) مادہ درختوں تک پہنچتے ہیں —— مندرجہ بالا آیت میں اللہ تعالیٰ کے اس احسان کیطرف اشارہ ہے کہ ہوائیں کس طرح چل کر پھلوں کی تعداد میں اضافہ کرتی ہیں۔

قانون زوجیت کا اہم اطلاق | اس کے ساتھ قرآن کا بیان کردہ قانون زوجیت (کہ ہم نے ہر چیز کو جوڑا جوڑا کر کے پیدا کیا) بھی ثابت ہو چکا ہے۔ لیکن ان سب باتوں کے لئے قرآن، حدیث اور سائنس کی مختلف شاخوں کا علم ضروری ہے جو آج کل بہت کم لوگوں کو حاصل ہے۔ جس طرح کسی زمانے میں منطق وغیرہ کو درس کا جزو بنایا گیا تھا، اسی طرح آج سائنس کو بھی درسِ نظامی کا جزو بنانا چاہیئے۔

قرآن نے قانون زوجیت کو (جسکی ایک شاخ قانون اضداد بھی ہے) بیان کرتے ہوئے بعض جگہ لطیف اشارہ سے یہ استدلال بھی کیا گیا ہے۔ کہ "دنیا" بھی تنہا نہیں ہوسکتی بلکہ دنیا کے ساتھ آخرت کا ہونا قانونِ زوجیت کا تقاضا ہے۔ اس بحث کے حق میں حال ہی میں کاروان سائنس (ج ۴، شمارہ ۳، ۴) میں ایک اچھا معلوماتی مقالہ شائع ہوا ہے۔ جسے مدیر مجلّہ جناب عظمت علی خان نے قلمبند کیا ہے۔ عنوان ہے —

"مادہ اور ضد مادہ" ——

اس مضمون میں ایک دلچسپ اور اہم نظریئے کی مختلف کڑیوں کی دریافت کا حال بیان کیا ہے۔ پہلے یہ دریافت ہوا کہ مادی ذرات کے ساتھ ضد ذرات (Anti Particles) بھی پائے جاتے ہیں۔ پھر الکٹران کے بالمقابل ضد الکٹران (Anti-Electron) کا انکشاف ہوا پھر ضد نیوٹران (Anti Neutron) کا علم ہوا پھر آگے چلے تو درست نظر کائنات کے اصول کے تحت بات یہاں تک پہنچی کہ مادہ کے بالمقابل

ضد مادہ (Anti Matter) کا بھی موجود ہے۔ پھر کہکشانی نظام کی ضد کا تصور (Anti Galaxies)
پیدا ہوا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ:

"آج کے بیشتر ماہرین طبیعات و ریاضی کا خیال ہے کہ خلا میں کسی نہ کسی جگہ ہماری اس
کائنات کا بھی آئینہ مثال توام (Looking Glass Twin) یا عکس موجود ہے۔
ان کو، اس کا بھی یقین ہے کہ کائنات کے اس توام کا وجود لازمی طور پر ہونا چاہئیے۔"

ہمیں اس نظریہ کا ایک سرا تو (صوفیہ کے) مسئلہ اعیان سے جا ملتا ہے۔ اور دوسرا سرا اسلام کے تصور آخرت سے (یعنی) کوئی اور دنیا بھی ہے، جس کا نظام اس دنیا کے ساتھ شدید مماثلتیں رکھنے کے باوجود مختلف بھی ہے۔ اس نظریے کے حاملین بھی یہ کہتے ہیں کہ ایک طرف یہ دونوں دنیا باہم دگر ہے۔ اور دوسری طرف یہ بھی کہ ان میں تشاکل موجود ہے۔

مسلمانوں کی کوتاہی افسوس اس بات کا ہے کہ جو تحقیقات موجودہ زمانے میں ہو رہی ہیں، ان میں مسلمانوں کا کوئی قابل ذکر حصہ نہیں ہے۔ اور تو چھوڑیئے حال ہی میں بحیرۂ مردار سے برآمد شدہ طوماروں اور پلندوں تک سے (Dead Sea Scrolls) تک سے مسلمانوں نے کوئی دلچسپی نہیں لی۔ حالانکہ تاریخی و مذہبی ریکارڈ کے اس دفینہ کی برآمدگی ان کے گھر کا معاملہ تھی۔ تحقیقاتی سرگرمیوں سے مسلمانوں کی یہ بے تعلقی غیر مسلم محققین کو یہ موقعہ دیتی ہے کہ وہ اپنے لادینی یا مذہبی نقطہ ہائے نظر یا سیاسی اور سامراجی مفاد کے مطابق جس طرح چاہیں کسی دریافت شدہ چیز کی توجیہہ کریں۔ اور جن نامطلوب اجزاء کو چاہیں بالکل نظر انداز کر جائیں۔ ذرا سوچئے کہ اب جب کہ غیر مسلم بلکہ بسا اوقات اسلام دشمن اور مذہب دشمن کے اخذ کردہ نتائج بھی قرآن کی صداقت کو واضح کرنے میں معاون ہوتے ہیں۔ اگر خود مسلمان آگے بڑھ کر سائنسی اور تاریخی تحقیقوں کے میدانوں میں اتریں تو وہ زیادہ صحیح علمی نقطۂ نظر اور جذبۂ ایمانی سے کام لیکر مطالعات و مشاہدات کو قرآنی حقائق کے تابع ثابت کر سکتے ہیں۔ وہ اگر خود براہ راست اگر کسی وسیع تحقیقی مہم کا آغاز نہیں کر سکتے تو کم از کم دوسروں کے فراہم کردہ مواد اور معلومات کا جائزہ تو لیں۔ دوسروں سے مل کر کام کرتے ہوئے اپنا نقطۂ نظر استعمال کریں اور ان کی غلطیوں پر گرفت کریں۔

لیکن مشکل یہ بھی تو ہے کہ جہاں موجودہ زمانے کے عام مسلمان سائنس کو دوسروں کی جاگیر سمجھے ہوئے ہیں، وہاں مسلمان سائنس دانوں کو ذہنی غلامی کا روگ لگا ہوا ہے، اور وہ ہر مفروضے، نظریے اور قانون پر بے چون و چرا ایمان لے آتے ہیں، جو غیر مسلم دماغوں نے مرتب کر کے ان کے سامنے رکھ دیا ہو — بلکہ بسا اوقات وہ ان باطل فلسفوں کے بھی پر جوش وکیل بن جاتے ہیں، جو مغرب کی ملحدانہ ذہنیت نے

قیاس سے کام لے کر سائنسی تحقیقات کی اساس پر گھڑے گئے ہیں۔ اور پھر ان کے حق میں اونچی علمی سطح پر نہایت زبردست پروپیگنڈا کیا ہے۔

یہ کیفیت قرون اولیٰ اور قرون وسطیٰ کے سائنس دانوں میں بہت ہی کم دیکھی جاتی ہے۔ اس کے لئے ایک سادہ سی مثال سامنے آتی ہے، جو ان کی ذہنی آزادی کی دلیل ہے۔ جب عربوں نے جالینوس کے یونانی طریق علاج کو اپنایا تو انہوں نے دواؤں کے یونانی سسٹم[عہ] سے ٹنکچروں کو بالکل خارج کر دیا۔ جڑی بوٹیوں کے ٹنکچروں کی بجائے انہوں نے معجونیں، چٹنیاں، مربّے اور شربت وغیرہ تیار کر کے نئی راہیں نکالیں۔ ان میں سے بعض چیزیں زمانۂ حال کے جدید ایلوپیتھک فارماکوپیا اور کوڈیکس میں موجود ہیں لیکن بیسویں صدی کے مسلمانوں نے مغربی طب کو اپنایا تو اس میں کسی ادنیٰ ترمیم کرنے کی جرأت موجود نہ تھی۔ انہوں نے عیسائیوں کی طرح متروک ٹنکچروں کو چپ چاپ قبول کر لیا۔ ہمارے ڈاکٹر اور دواساز ابھی تک الکوحل ترک کرنے کا اقدام نہیں کر سکے، حالانکہ الکوحل کے مقاصد پورے کرنے کے لئے مسلمان اطباء قرنوں پہلے دوسری مؤثر تدبیریں پیش کر چکے ہیں۔

حواشی:۔ ۵؎ بائبل کا تصور نبوت بھی عجیب ہے گویا کہ یہ کوئی جائداد منقولہ ہے، جسے مورث کسی کو بھی اٹھا کے دے سکتا ہے۔ ۶؎ دیکھئے "لائف" بائبل نمبر ص ۳۱، ۳۹، ۴۰۔ ۷؎ واضح رہے کہ اب بہت سی عوامی اور مذہبی روایاتی باتوں (LEGEND) کو، جنہیں پہلے اوہام قرار دیا جاتا تھا، اب سائنس میں اہمیت مل گئی ہے۔ بلکہ بعض صورتوں میں کسی قدیم روایت کو رہنما بنا کر تحقیق شروع کی جاتی ہے۔ اور بالآخر اس روایت کی بنیادیں مل جاتی ہیں۔ مثلاً یہ قدیم عوامی روایت کہ زخموں سے خون کے جریان پر چاند کی حرکات کا اثر پڑتا ہے۔ اب ثابت ہو چکی ہے۔ اور اس سلسلہ میں مشاہدات کا تذکرہ ٹائم نیویارک میں آیا ہے۔ ۸؎ یاد رہے کہ اہرام مصر کے پتھر صرف ہاتھ سے ٹیکہ اٹھ وزن کے ہیں (Reader's Digest May 1963) اس لئے ان پتھروں سے انہیں کوئی نسبت نہیں۔ ۹؎ کیا عجب یہ نئی روحیں دور جدید کو ایک دن اس واقعہ کے اعتراف پر بھی مجبور کر دیں کہ آدم علیہ السلام کو کسی دوسرے مقام سے زمین پر اتارا گیا۔ ۱۰؎ ان قیاس آرائیوں کو پیش نظر رکھ کر یہ سوچیئے کہ سائنسی اور تاریخی تحقیقات کی بنیاد پر کس طرح گوناگوں آراء قائم کی جا سکتی ہیں۔ اور اب تک ایسی جن باتوں کو ہم سائنس کے حوالہ سے ناقابل تردید حقائق مانتے چلے آ رہے ہیں۔ (مثلاً نظریۂ ارتقاء) ان کے بھی کل بخئے ادھیڑ سکتے ہیں۔

۱۱؎ تفصیل اور ثبوت کے لئے ملاحظہ ہو۔ (Reach of mind — A319 Pelican BKS.)

عہ تعجب ہے صاحب مضمون ٹنکچر کے طریقے کو یونانی سسٹم قرار دے رہے ہیں۔ حالانکہ اس کا سہرا مسلمانوں ہی کے ایک فرد شیخ بوعلی سینا کے سر ہے۔ (ندائے فرقان)

مولانا نور محمد غفاری۔ ایم اے

انواع تفسیر

قسط : ۲

تفسیر بالرائے کی ممانعت اور وعید

ا۔ قرآن شریف کی روشنی میں

(۱) وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ۔ (بنی اسرائیل : ۳۶)
جس چیز کا تمہیں علم نہیں اس کے پیچھے مت پڑو۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا کہ تفسیر کی چار قسمیں ہیں۔ جن میں سے ایک قسم وہ ہے، جس کا علم خدا کو ہے، بندوں کو نہیں۔ (مقدمہ تفسیر ابن کثیرؒ)

(۲) وَاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ۔
اور (یہ کہ) اگر تم اللہ کے بارے میں وہ کہو جس کا تمہیں علم نہیں۔

(۳) فَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَاءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَاءَ تَاْوِيْلِهٖ۔ (آل عمران : ۷)
سو جن لوگوں کے دلوں میں کجی ہے وہ (دین میں) شورش ڈھونڈنے کے لئے اسی حصہ کے پیچھے ہو لیتے ہیں جو مشتبہ المراد ہے ...

ب۔ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور تفسیر بالرائے

(ا) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے قرآن میں اپنی رائے سے کوئی بات کہی خواہ وہ درست بھی ہو تو بھی اس نے غلطی ہی کی۔ (ابوداؤد، ترمذی، النسائی۔)

امام بیہقیؒ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں اگر یہ حدیث صحیح ثابت ہو (اصل بات کا علم خدا کو ہے لیکن) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے "رائے" سے وہی رائے مراد لی ہے۔ جو بغیر کسی دلیل کے کہی جائے ورنہ وہ رائے جس کی تائید و توثیق کوئی نص واضح کر دے اسے

تفسیر میں کہنا جائز ہے۔"

ایک دوسرے مقام پر یہی مصنفؒ فرماتے ہیں: "جو شخص اصول و فروع کی معرفت حاصل کئے بغیر قرآن مجید کے متعلق محض اپنی رائے سے کوئی بات کہے اور اس کی یہ بات اتفاقاً صحیح تفسیر کے موافق بھی ہو جائے تو بھی اس کی یہ موافقت ناپسندیدہ ہوگی۔ کیونکہ یہ موافقت بلاسوچے سمجھے پیدا ہو گئی ہے۔" (کتاب المدخل)

ابن الانباریؒ نے اس حدیث کے بارے میں کہا ہے کہ "بعض اہل علم نے اس کو اس بات پر محمول کیا ہے۔ کہ "رائے" سے "ھویٰ" (بے جا نفسانی خواہش) مراد ہے۔ اس لئے جو شخص قرآن کی تفسیر میں کوئی قول اپنی خواہش کے موافق کہے اور اسے علماء سلف سے اخذ نہ کرے تو اگرچہ وہ بات درست بھی کہے تو بھی وہ غلطی ہی کرے گا۔ کیونکہ اس نے قرآن پر ایسا حکم لگایا ہے، جس کی اصل اسے معلوم نہیں، اور نہ اس کے بارے میں اہل اثر (حدیث) اور اصحاب عقل و روایت کے مذاہب سے اس کو کوئی واقفیت بہم پہنچی ہے۔" (بحوالہ الاتقان نوع ۷۸)

(۲) مَنْ فَسَّرَ بِغَيْرِ عِلْمٍ فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ۔ — جو شخص بغیر علم کے (قرآن مجید کی) تفسیر کرے تو چاہیئے کہ وہ مقام جہنم میں بنا لے۔

(مسند امام احمد بن حنبلؒ)

اس حدیث کی شرح میں ابن الانباریؒ فرماتے ہیں: "اس کے دو معنی ہیں: (۱) یہ کہ کوئی شخص مشکل قرآن کے بارے میں ایسی بات کہے جس کا سراغ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اور تابعین رحمہم اللہ علیہم کے مذاہب میں نہیں ملتا ہے۔ تو گویا وہ غضب الٰہی میں مبتلا ہونے کی کوشش کرے گا۔ (۲) دوسرے معنی جو کہ صحیح تر ہیں، وہ یہ ہیں کہ جس شخص نے یہ جانتے ہوئے کہ حق بات دوسری ہے۔ پھر بھی قرآن کے بارے میں کوئی بات اس کے علاوہ کہی تو چاہیئے کہ وہ اپنا مقام دوزخ میں سمجھ لے۔ (حوالہ الاتقان نوع)"

(۳) مَنْ فَسَّرَ بِرَأْيِهِ فَقَدْ كَفَرَ۔ — جس نے رائے سے تفسیر کی اس نے تحقیق کفر کیا۔

(مسند احمد)

ابن نقیبؒ فرماتے ہیں: "تفسیر بالرائے کی حدیث کے معنی سے یہ پانچ قول حاصل ہوتے ہیں:

اوّل:- یہ کہ وہ ایسی تفسیر ہو جو بغیر ایسے علوم کو حاصل کئے ہوئے کی گئی ہو، جن کی واقفیت کے بعد تفسیر کرنا جائز ہوتی ہے۔

دوم:- یہ کہ اس متشابہ کی تفسیر کی جائے جس کی تاویل صرف خدا ہی جانتا ہے کسی اور کو

معلوم نہیں ہوتی۔

سوم :۔ یہ کہ ایسی تفسیر کی جائے جو فاسد مذہب کی مقرر (ثابت) کرنے والی ہو۔ کیونکہ مذہب کو اصل بنا کر تفسیر کو اس کے تابع رکھا جائے گا۔ اور جس طریقہ سے بھی ممکن ہوگا اس کے خلاف نہیں کی جائے گی۔ اگرچہ وہ طریقہ ضعیف ہی کیوں نہ ہو۔

چہارم :۔ یہ کہ بلا کسی دلیل کے قطعی طور پہ یہ تفسیر کر دے کہ اللہ تعالیٰ کی یہی مراد ہے۔

پنجم :۔ یہ کہ اپنی پسند اور بے جا خواہش کے مطابق تفسیر کی جائے۔

(بحوالہ الاتقان فی علوم القرآن نوع ۷۸)

اقوالِ علماء امت :۔ ۱۔ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہٗ فرماتے ہیں :

اَیُّ السَّمَآءِ تُظِلُّنِیْ وَاَیُّ الْاَرْضِ	کونسا آسمان مجھے سایہ دے گا اور
تُقِلُّنِیْ اِذَا اَنَا اَقُوْلُ فِیْ کَلَامِ اللّٰہِ	کونسی زمین مجھے جگہ دیگی۔ جب میں اللہ
مَا لَا اَعْلَمُ۔ (ابن جریر ص $\frac{26}{1}$ ج)	کے کلام میں وہ بات کہوں جو میں نہیں جانتا۔

غور کا مقام ہے اور عبرت کا موقعہ ہے۔ ان لوگوں کے لئے جو اپنی عقل کو معیارِ حق سمجھ کر جو جی میں آتا ہے۔ قرآن کے بارے میں کہہ دیتے ہیں۔ یہ اس ہستی کا فرمان ہے جو وحی کے پہلے لفظ سے وحی کے آخری لفظ تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہی۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ اقدس سے قرآنی معارف سنے اور سیکھے۔ اور جس کا قول ہے کہ اگر میری سواری سے کوڑا گر جائے تو بھی قرآنِ مجید سے مدد لوں۔

۲۔ حضرت انس رضی اللہ عنہٗ فرماتے ہیں کہ ہم حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہٗ کے پاس تھے۔ آپ کی قمیص کے پیچھے چار پیوند لگے ہوئے تھے۔ آپ نے اس آیت وَفَاکِهَةً وَّاَبًّا ۝ کی تلاوت کی اور فرمایا کہ اَبّ کیا چیز ہے؟ پھر فرمانے لگے "اس تکلف کی تمہیں کیا ضرورت؟ اس کے نہ جاننے میں کیا حرج؟" (مقدمہ تفسیر ابن کثیر ص۱۷)

۳۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک شخص نے پوچھا کہ قرآن میں جو ایک ہزار سال کے برابر کے دن کا ذکر ہے۔ یہ کیا؟ آپ نے فرمایا اور جو پچاس ہزار سال کے برابر کے دن کا ذکر ہے، وہ کیا؟ اس نے کہا: "میں تو آپ سے سمجھنا چاہتا ہوں۔" آپ نے فرمایا: "یہ دو دن ہیں جن کا ذکر اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں کیا ہے۔ ان کا حقیقی علم خدا تعالیٰ کو ہے۔" (مقدمہ تفسیر ابن کثیر ص)

خیال فرمائیے کہ اتنے بڑے مفسّرِ قرآن نے تفسیر میں کس قدر احتیاط برتی! کہ جس بات کا علم

نہ تھا اس کے بیان سے صاف انکار کر دیا۔ (اَللّٰھُمَّ ارزقنا اتباعھم۔ آمین)

۴۔ جندب بن عبداللہؓ سے ایک مرتبہ طلق بن حبیبؒ نے ایک آیت کی تفسیر پوچھی (شاید وہ متشابہات کی قبیل سے ہوگی۔) فرمانے لگے "اگر تم مسلمان ہو تو تمہیں قسم ہے اگر یہاں سے چلے نہ جاؤ یا فرمایا اگر یہاں بیٹھے رہو۔" (بحوالہ تفسیر ابن جریر)

۵۔ دورِ حاضرہ کی مشہور و معروف علمی شخصیت ڈاکٹر طٰہٰ حسین نے تفسیر بالرائے پر مندرجہ ذیل تبصرہ کیا ہے :۔

"میں کہہ سکتا ہوں کہ مؤدین ——— (تاویل کرنے والے) خواہ قدماء میں سے ہوں یا علماء عصر میں سے ان کی تاویلات دور از کار ہیں۔ انہوں نے عقل کو رہنمائی سونپی اور دھوکہ کھا گئے۔ انہوں نے وہ باتیں کہیں جو ان کے منہ سے نہیں نکلنا چاہیئے تھیں۔ انہیں چاہیئے تو یہ تھا کہ حد سے قدم آگے نہ بڑھاتے جس جگہ ان کی قوت فہم و ادراک اور شعور اور بلوغ ختم ہو گئی تھیں وہیں پر ٹھٹھک کر رہ جاتے تو یہ ان کے لئے بہت بہتر ہوتا۔ ان کے لئے بھی اور ان لوگوں کے لئے بھی جنہیں انہوں نے فتنہ میں مبتلا کر دیا تھا۔ ان کی تاویلات نے عجیب و غریب گل کھلائے۔ قرآن مجید میں "طَیْرًا اَبَابِیْلَ" کا ذکر آیا ہے۔ وہ چڑیا جنہوں نے مکہ کی حملہ آور ابرہہ کی حبشی فوج پر کنکریاں غیر مرئی جراثیم۔ یہ تاویل انہوں نے اپنی طرف سے کی حالانکہ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اقوال صحابہؓ سے سورہ الفیل کا یہ مفہوم ہرگز ہرگز مترشح نہیں اور نہ اس نہج پر انہوں نے سمجھا تھا اور وہ اس نہج پر سمجھ بھی نہیں سکتے تھے؟ اور ان کے لئے زیب کب تھا۔ وہ جراثیم سے واقف کب تھے۔؟

اسی طرح جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ قرآن میں "سَبْعَ السَّمٰوٰتِ" سے مراد کواکب و سیارہ ہیں یہ بھی اٹکل پچو ہے۔ یہ ایسی بات کہہ رہے ہیں۔ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ نے کبھی نہیں کہی۔" (اسلام منزل بمنزل صـ ۳۰۶)

موجودہ دور کے چند تفاسیر بالرائے

بندہ کی تحقیق کے مطابق مندرجہ ذیل فرق کی تفاسیر تمام کی تمام یا اکثر و بیشتر "تفسیر بالرائے" کی نوع سے متعلق ہیں۔

۱۔ معتزلہ کی تفاسیر ۲۔ خوارجہ کی تفاسیر

۳۔ روافض کی تفاسیر ۴۔ اسماعیلی فرقہ کی تفاسیر
۵۔ نیچری فرقہ کی تفاسیر ۶۔ قادیانی فرقہ کی تفاسیر
۷۔ باطنیہ کی تفاسیر ۸۔ چکڑالوی فرقہ کی تفاسیر
۹۔ پرویزی فرقہ کی تفاسیر ۱۰۔ تجدد پسند فرقہ کی تفاسیر
۱۱۔ جبریہ، قدریہ اور جہمیہ وغیرہ۔

اب ان کی چند ایک مثالیں ملاحظہ کریں۔

۱۔ معتزلہ کی تفاسیر :— ۱۔ "معانی القرآن" از واصل بن عطا۔
۲۔ "معانی القرآن" مؤلفہ ابو عبید قاسم
۳۔ "غریب القرآن" مؤلفہ ابو عبید قاسم
۴۔ "کشاف عن حقائق غوامض التنزیل و عیون الاقاویل فی وجوہ التاویل" مشہور بہ "کشاف" ۔ مؤلفہ جار اللہ محمود زمخشری (متوفی ۵۳۸)

۲۔ نیچری فرقہ کی تفاسیر — یہ دراصل سر سید احمد خان اور اس کے معتقدین حضرات کا گروہ تھا۔ یعنی مولانا ابو محمد عبد الحق حقانی رح نے اپنی تفسیر "نیچریہ" کہا ہے۔ اس فرقہ کی ترجمان ایک ہی تفسیر ہے جسے سر سید احمد خان رح نے لکھنا شروع کیا تھا۔ مگر اہل حق کے مسلسل احتجاج پر وہ بے بس ہو کر بیٹھ گئے۔ اس تفسیر کا نام "تفسیر القرآن" ہے۔

۳۔ چکڑالوی — یہ منکرین حدیث ہیں۔ ان کی صرف ایک تفسیر ہے وہ بھی مکمل نہیں۔ اس تفسیر کے ابتدائی پارے سیالکوٹ سے چھپے تھے۔ اس کا نام "تفسیر القرآن بآیات القرآن" از عبد اللہ چکڑالوی۔

۴۔ پرویزی فرقہ :— یہ لوگ بھی منکرین حدیث ہیں اور اہل قرآن کہلاتے ہیں۔ پرویزی انہیں غلام احمد پرویز کی نسبت سے کہا جاتا ہے۔ ان کی کوئی تفسیر نہیں۔ البتہ غلام احمد پرویز نے "مفہوم القرآن" ایک کتاب لکھی ہے جو نہ ترجمہ ہے اور نہ ہی تفسیر فقط قرآنی آیات کا مفہوم ہے۔

۵۔ قادیانی :— یہ مرزا غلام احمد قادیانی کا فرقہ ہے۔ مرزا نے نبوت کا جھوٹا دعویٰ کیا اور امت میں ایک نیا فتنہ پیدا کر دیا۔ اس فرقہ کی چند تفاسیر کی نشاندہی کی جاتی ہے :
(۱) "حسن بیان بن علم القرآن" مؤلفہ غلام حسن نیازی پشاوری۔
(۲) "تفسیر احمدی" میر محمد سعید قادری حنفی۔

باقی صفحہ ۶۲ پر

مرتبہ :- محمد اقبال قریشی ہارون آبادی

مولانا شاہ فضل الرحمٰن صاحبؒ گنج مراد آبادی

اور ان کے

علوم و معارف

ولادت باسعادت | حضرت مولانا شاہ فضل الرحمٰن صاحب گنج مراد آبادیؒ یکم رمضان المبارک سنہ ۱۲۰۸ھ کو پیدا ہوئے۔ والد ماجد کا نام شیخ اہل اللہ تھا۔ گیارہ برس کی عمر میں والد کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ اور آپ کی تعلیم و تربیت کی جملہ ذمہ داریاں آپ کی والدہ محترمہ پر آ پڑیں۔ والد مرحوم کا چھوڑا ہوا سرمایہ جلد ختم ہو گیا اور اسی زمانہ میں خوفناک قحط پڑا۔ والدہ محترمہ نے پیتے اپال اپال کر خود کھائے اور آپ کو کھلائے اور کسی کے سامنے دست سوال دراز نہ کیا حالانکہ آپ کے اعزہ میں باثروت اور مالدار لوگ موجود تھے۔

تعلیم و تربیت | والد ماجد کے انتقال کے باوجود انتہائی تنگ دستی اور افلاس میں بھوکے رہ کر اور فاقے کاٹ کر برابر حصول علم دین کے لئے کوشاں رہے اور ہمت نہ ہاری۔ ابتدائی تعلیم اپنے قصبہ میں حاصل کی پھر لکھنؤ جاکر وہاں کے جید علماء سے تعلیم حاصل کرتے رہے۔ پھر تحصیل علم کے شوق میں پیدل ہی راستہ کی تکالیف اور صعوبتیں جھیلتے ہوئے دہلی پہنچے۔ اور حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلویؒ سے حدیث پڑھنا شروع کی۔ دو ماہ بعد وطن واپس چلے گئے۔ دوبارہ جب دہلی تشریف لے گئے۔ تو حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب قدس سرہٗ رحلت فرما چکے تھے۔ اس لئے حضرت شاہ محمد اسحاق صاحب قدس سرہٗ سے تکمیل حدیث کی اس وقت عمر ۱۶، ۱۷ برس ہوگی لیکن جید علماء میں شمار ہونے لگے تھے۔

بیعت | علوم ظاہری کی تکمیل کے بعد آپ نے منازل سلوک طے کرنے کے لئے حضرت شاہ محمد آفاق صاحبؒ سے بیعت کی جو اس زمانے میں روحانی کمالات میں مسلّم بزرگ اور ولی اللہ تھے۔

گنج مراد آباد میں سکونت | علوم ظاہری اور علوم باطنی سے آراستہ ہو کر آپ اپنے وطن قصبہ بلانواں تشریف لے گئے اور شادی کی۔ لیکن تھوڑے ہی عرصہ بعد آپ کی اہلیہ کا انتقال ہو گیا۔ اس لئے آپ گنج مراد آباد تشریف لے گئے۔ اور تا آخر حیات وہیں رہے۔ اپنے وطن کو ترک کرنے کا سبب وہاں کا فسق و فجور تھا

لیکن گنج مراد آباد بھی اس سے کم یہاں کے باشندوں نے حق گوئی کی بنا پہ آپ کی ایذا رسانی پہ کمر باندھ لی لیکن آپ نے نہایت پامردی اور استقلال سے انکا مقابلہ کیا۔ اور آخر عمر تک خلق اللہ کو مستفید کرتے رہے۔ اوران کی اصلاح کے لئے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔

کرامات | بچپن ہی سے آپ کی کرامات کا ظہور ہونا شروع ہو گیا تھا چنانچہ ماہ رمضان المبارک میں آپ دن کو والدہ کا دودھ نہیں پیتے تھے۔ بچپن میں کھیل کود میں کبھی وقت ضائع نہیں کیا۔ اور لڑکوں سے بھی فرماتے کہ ہم دنیا میں کھیلنے نہیں آئے۔ بہت سے فاسق و فاجر آپ کے دست حق پرست پر بیعت کرنے سے سچے مسلمان ہو گئے بہت سے غیر مسلم آپ کی تبلیغ سے مسلمان ہو گئے اور بہت سے لا علاج مریض آپ کی دعا سے شفایاب ہو گئے۔ اس کے علاوہ مختلف مواقع پر آپ سے متعدد کرامات کا ظہور ہوا جسکی تفصیل "تذکرہ اولیائے پاک و ہند" میں موجود ہے۔

وصال مبارک | ماہ ربیع الاوّل ۱۳۲۲ھ کے پہلے ہفتہ آپ پر بخار کا شدید حملہ ہوا جسکے بعد آپکی طبیعت نہ سنبھل سکی بلکہ روز بروز بحالت خراب ہوتی گئی اور بالآخر ۲۲ ربیع الاوّل ۱۳۲۳ھ بروز جمعۃ المبارک بعد نماز مغرب اس دار فانی کو داغ مفارقت دے گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ بڑی ہی مبارک اور قابل تقلید ہستی تھے۔ آپ کا پسندیدہ مشغلہ ذکر الٰہی اور عبادت و ریاضت تھا۔ دوسرا پسندیدہ مشغلہ درس حدیث و تفسیر تھا۔ فرماتے تھے مجھے اس میں اس قدر لذت و کیفیت محسوس ہوتی ہے کہ بیان نہیں کر سکتا۔ ساری زندگی نہایت سادگی سے گزار گئے۔ مکان کچا اور بوسیدہ تھا۔ اکثر باجرہ کی روٹی پر گزارہ کرتے لباس بھی نہایت معمولی اور غریبانہ پہنتے تھے۔ اور جو بھی تحائف آتے غرباء اور محتاجوں میں تقسیم فرما دیتے۔ نور اللہ مرقدہٗ۔

| مولانا اشرف علی تھانویؒ اور حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب گنج مراد آبادیؒ |

حضرت[۲] حکیم الامت تھانویؒ ربیع الثانی یا جمادی الاوّل ۱۳۰۱ھ میں جامع العلوم کانپور کی بنیاد رکھنے سے قبل بھی مرتبہ حضرت گنج مراد آبادیؒ کی زیارت کے لئے تشریف لے گئے تھے۔ دوسرے[۳] دن واپسی کے وقت حضرت حکیم الامتؒ نے رخصتی مصافحہ کیا اور دعا کی درخواست کی تو فرمایا: "ہم نے تمہارے لئے دعا کی ہے۔" اس کے بعد مولانا کبھی آنے جانے والوں کے ہاتھ حضرت حکیم الامتؒ کو سلام بھیجتے تھے۔ مولانا تو ایسے آزاد تھے کہ کوئی چیز یاد نہ رہتی تھی نہ معلوم یہ کیسے یاد رہ گیا۔ عارف باللہ حضرت خواجہ عزیز الحسن صاحب مجذوبؒ تحریر فرماتے ہیں: "ایسے[۵] صاحب استغراق بزرگ کا حضرت حکیم الامتؒ کی تھوڑی سی ملاقات میں اتنا یاد رکھنا کہ سلام کہلا کر بھیجنا بہت بڑی خصوصیت اور نہایت شفقت

کی دلیل ہے۔"

چند سال کے بعد دوسری مرتبہ حضرت حکیم الامتؒ حضرت گنج مراد آبادیؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو بڑے بطور ہدیہ ساتھ لے گئے تھے۔ دوسرے لوگ حضرت گنج مراد آبادیؒ کی رغبت کی چیزیں تمباکو اور صابون لاتے تھے۔ حضرت حکیم الامتؒ کو آپکی مرغوب چیزوں کا علم نہ تھا۔ اور وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ یہ ہدیہ پسند فرمائیں گے۔ لیکن جب حضرت حکیم الامتؒ نے اپنا ہدیہ پیش کیا تو خوش ہو کر فرمایا: "انہیں اٹھا کر رکھو ہم ان کا شربت پیا کریں گے۔" خلاف توقع معاملہ دیکھ کر اور لوگوں کو (جو رغبت کی چیزیں لائے تھے) تعجب ہوا اور حضرت حکیم الامتؒ نے خدا کا شکر ادا کیا۔

جب حضرت حکیم الامتؒ نے واپسی کی اجازت چاہی تو فرمایا ابھی کیا جلدی ہے۔ مدرسہ کی تعطیل ہے۔ رمضان شریف کا زمانہ ہے۔ اور ٹھہرو۔ حضرت حکیم الامتؒ بھی دل سے یہی چاہتے تھے۔ حضرتؒ کے ارشاد کو غنیمت سمجھا اور واپسی کے ارادہ کو ترک کیا اور حصن حصین پڑھنے کے لئے عرض کیا تو بڑی خوشی سے قبول فرمایا اور حدیث پڑھاتے پڑھانے کے دوران مختلف وقتوں میں نعرے لگاتے جاتے تھے اور کہیں کہیں تحقیق بھی کرتے جاتے تھے۔ اور اس دوران ذوق و شوق میں کھانا برابر تکلیف کا آتا رہا۔

ایک دن حدیث کا سبق پڑھا کر یہ شعر پڑھا:

ماہر چہ خواندہ ایم فراموش کردہ ایم الا حدیث یار کہ تکرار می کنیم

اس شعر کے لطف کو لفظ "حدیث" نے دوبالا کر دیا۔ حضرت حکیم الامت نے حصن حصین پڑھنے کے بعد رخصت ہوتے وقت تبرکاً حدیث شریف کی اجازت چاہی تو فرمایا ہاں جی اجازت ہے یہ بھی فرمایا کہ کبھی کبھی آیا کرو اور کچھ سنایا کرو۔ لیکن اتفاق سے اس کے بعد حضرت حکیم الامت پھر تشریف نہ لے جا سکے۔ ان سب باتوں سے حضرت گنج مراد آبادی کا حضرت حکیم الامتؒ سے خصوصی پیار و التفات اور محبت و شفقت ظاہر ہے۔ بعد وفات حضرت گنج مراد آبادیؒ حضرت خواجہ عزیز الحسن صاحب مجذوبؒ نے اشرف السوانح کی تصنیف کے دوران حضرت گنج مراد آبادیؒ کو خواب میں دیکھا اور عرض کیا کہ مجھے وساوس شیطانیہ کی بہت کثرت رہتی ہے۔ دعا فرمایئے کہ ایمان کامل نصیب ہو تو فرمایا تمہارا پیر تو بڑا بھاری شیخ ہے۔ تم مولوی اشرف علی کے مرید ہو۔ پھر وساوس کے متعلق فرمایا کہ کبھی دن میں تاریکی میں بھی چلتی رہتی ہے۔ اس طرح سے کہ اس کی کھڑکیاں بند ہوتی ہیں۔ حضرت خواجہ صاحبؒ نے خواب کی اطلاع ایک پرچہ کے ذریعہ حضرت حکیم الامتؒ کو دی تو تحریر فرمایا: "وساوس سے ایک گو۔ طبعی ظلمت ہوتی ہے۔ مگر یہ تاریکی مانع قطع مسافت نہیں ہوتی جبکہ وسائط صحیح ہوں۔ چنانچہ ڈرائیور کا صاحب نور ہونا

اور دیل کالائق پیرہونا کافی ہے

حضرت حکیم الامت کی حضرت گنج مرادآبادیؒ سے محبت | حضرت حکیم الامتؒ اپنے مواعظ حسنہ اور مجالس میں حضرت گنج مرادآبادیؒ کے ملفوظات اور واقعات لطف لے لے کر بیان فرماتے تھے۔ نیز فرماتے تھے "مولانا بظاہر وجد مغلوب سے تھے ورنہ بڑے عالم بڑے متقی تھے حدود شرعیہ سے خوب واقف تھے اور پورے متبع سنت تھے"

حضرت حکیم الامت جب سید الطائفہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکیؒ کی خدمت میں جب مکہ معظمہ جانے لگے تو قصد میں کامیابی کے لئے عریضہ لکھا تو حضرت گنج مرادآبادیؒ نے خط کے ایک گوشہ میں اپنے قلم سے تحریر فرمایا: "از فضل الرحمن۔ سلام علیکم دعائے خیر نمودم" حضرت حکیم الامتؒ نے عرصہ تک اس خط کو محفوظ رکھا جس سے حضرت گنج مرادآبادیؒ سے محبت اور تعلق ظاہر ہے ——

ملفوظات طیبات

بروایت حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ

خدا کی بڑی نعمت | ۱۔ فرمایا ایک بار میں حضرت مولانا شاہ فضل الرحمن صاحب قدس سرہ کے یہاں مہمان تھا۔ جب میں نے کھانا شروع کیا تو مولاناؒ نے پوچھا کیا ہے میں نے کہا ارہر کی دال اور روٹی ہے۔ فرمایا: سبحان اللہ خدا کی بڑی نعمت ہے۔ دیکھو مولاناؒ نے ارہر کی دال کو بڑی نعمت فرمایا ہے۔ اور صحابہ کرام اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا کھایا کرتے تھے۔

۲۔ پرانی جورو ماں ہو جاتی ہے | فرمایا شاہ فضل الرحمن صاحب سے کسی ذاکر نے شکایت کی کہ حضرت اب وہ پہلا سا جوش نہیں رہا تو فرمایا کہ تم کو خبر بھی ہے پرانی جورو ماں ہو جاتی ہے۔ اور ظاہر ہے کہ محبت تو ماں کے ساتھ بھی ہوتی ہے۔ مگر اس میں جوش نہیں ہوا کرتا۔ پرانی جورو کے ماں ہونے پر ایک سرحدی نواب کی حکایت یاد آئی کہ بڑھاپے میں ان کی بیوی کا انتقال ہو گیا تھا تو حاکم ضلع تعزیت کے لئے گئے اور کہا نواب صاحب ہم کو اس کا بہت افسوس ہے کہ آپ کی بیوی مر گیا تو وہ رونے لگے اور کہا کلکٹر صاحب وہ ہمارا بیوی نہ تھا، اماں تھا، ہم کو روٹی کھلاتا تھا، پنکھا جھلتا تھا: واقعی یہ کام تو پرانی بیوی کرتی ہے۔ نئی دلہن سے یہ کام کہاں ہو سکتے ہیں۔ وہ تو اپنے نخروں اور چوچلوں میں رہتی ہے۔ مگر یہ سب چار دن کی باتیں ہیں۔ سال دو سال کے بعد سب کا جوش ختم ہو جاتا ہے۔ اور بقول مولانا کے پرانی جورو اماں ہو جاتی ہے۔ سو ذکر کی بھی حالت ہے۔ اس میں اول ہی جوش و خروش ہوتا ہے پھر سکون ہو جاتا ہے۔

۳۔ موت کا طبعی خوف | فرمایا: شاہ فضل الرحمن صاحبؒ ایک دفعہ بیمار ہوئے، پھر اچھے ہو گئے، ہم کو مرنے سے بہت ڈر لگتا ہے۔ حضرت حکیم الامتؒ نے فرمایا: ہم نے دونوں قسم کے بزرگوں کو دیکھا ہے۔ ان کو بھی جن پر حب عقلی کا غلبہ نہ تھا۔ اور زندگی نہ چاہتے تھے: اور ان کو بھی جنہیں حب عقلی کا غلبہ تھا۔ اور زندہ رہنا چاہتے۔ ایک رات سیدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کو خواب میں دیکھا انہوں نے ہم کو چھاتی سے لگا لیا بس صبح ہی کو اچھے ہو گئے۔ مولانا بڑے صاف تھے تصنع بالکل نہ تھا۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ تو حدیث میں آیا ہے کہ جب ملک الموت ان کے پاس قبض روح کے لئے آئے تو آپ نے ان کے ایک طمانچہ مارا: وہ بے چارے حق تعالیٰ کے پاس واپس گئے اور عرض کیا اِنَّكَ اَرْسَلْتَنِیْ اِلٰی رَجُلٍ لَا یُرِیْدُ الْمَوْتَ۔ آپ نے مجھے ایسے شخص کے پاس بھیجا ہے جو مرنا نہیں چاہتا۔ سو طمانچہ مارنے کی خواہ کچھ ہی توجیہہ ہو لیکن ملک الموت کے قول سے موسیٰ علیہ السلام کی شان لا یرید الموت۔ کی تو معلوم ہوتی ہے جس پر تکیر نہیں کیا گیا معلوم ہوا کہ طول حیات کی خواہش منافی کمال ولایت نہیں وہ دنیا کی عمر کو موجب زیادت قرب سمجھ کر یہ چاہتے تھے کہ وہ زندہ رہیں تاکہ قرب میں اور ترقی ہو۔

۴۔ ایمان کا اجمالی بیان | فرمایا: میں نے حضرت فضل الرحمن صاحب گنج مرادآبادی سے دس سے زیادہ ایک عجیب حکایت سنی ہے جس میں توجیہہ کی بھی ضرورت ہے۔ اور نہ بیان کرتا تو شاید یقین ہونا بھی مشکل ہوتا اور بہت ممکن تھا کہ میں سن کر رد کرتا۔ وہ یہ کہ دھوبی کا انتقال ہو گیا جب دفن کر چکے تو منکر نکیر نے آکر سوال کیا من ربك ما دینك من هذا الرجل۔ وہ جواب میں کہتا ہے کہ مجھ کو کچھ خبر نہیں میں تو حضرت غوث اعظم کا دھوبی ہوں اور فی الحقیقۃ یہ جواب اپنے ایمان کا اجمال بیان تھا محض تعبیر اجمالی تھی۔

۵۔ دین میں حرج نہ دیکھو | فرمایا ایک شخص نے مولانا فضل الرحمن صاحب گنج مرادآبادیؒ سے عرض کیا کہ حضرت مفقود کے مسئلہ میں تو بڑا حرج ہے۔ فرمایا کہ بڑا حرج لئے پھرتا ہے۔ جہاد میں بھی تو بڑا حرج ہے، جان دینی پڑتی ہے۔ اسکو بھی قرآن شریف سے نکال دو۔

مولانا پر جذب کا غلبہ رہتا تھا اسی رنگ کا جواب دیا جذب کے مناسب ایک واقعہ ہوا۔ اور بیان فرمایا کہ وقار الامراء حیدرآبادی ملاقات کو آئے مولانا نے حکم دیا۔ نکال دو۔ صاحبزادے نے سفارش کی فرمایا اچھا دو بجے تک اجازت ہے۔ وہ بھی نہایت باادب اور سلیم الطبع تھے دو بجے گھر چلے گئے انہوں نے کہا بھی کہ صبح کو چلے جائیں مگر انہوں نے جواب دیا کہ خلاف ادب ہے یہاں پر قیام کرنا مولانا کا اس کے بعد ٹھہرنے کا حکم نہیں۔ یہ اس زمانے کے امراء کی حالت تھی غرض حیدرآباد کے امراء نہایت ہی مخلص اور شائق

سے نہایت خوش اعتقاد تھے۔

۶۔ سنت نکاح کے عمل پر فائدہ | فرمایا: حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب نے آخر وقت میں نکاح کیا تھا۔ محض اس وجہ سے کہ حضرت کو ناسور کا مرض ہو گیا تھا۔ اسکی دیکھ بھال سوائے بیوی کے ہو نہیں سکتی وہ بی بی بے چاری برابر اپنے ہاتھ سے شب و روز میں کئی کئی مرتبہ دھوتیں اور صاف کرتی تھیں۔ نہایت خوشی کے ساتھ کوئی گرانی یا نفرت ان کو نہ ہوتی تھی دنیا میں اس تعلق کی کوئی نظیر پیش نہیں کر سکتا۔

۷۔ مولاناؒ سے ہندوؤں کی عقیدت | فرمایا مولانا فضل الرحمٰن صاحب کے متعلق بعض ہندوؤں کا یہ کہنا کہ ان کا کیا مسلمان کیا ہندو اس کہنے کا واقعہ یہ ہے کہ مولانا سے اکثر لوگ تبرک مانگتے تھے تو مولانا نے ایک پودن کی گولیاں ایک بنئے کو بتلادی تھیں جو کوئی تبرک مانگتا فرماتے وہ گولیاں خرید کر دم کرالو۔ چنانچہ بعض اوقات مجذوب غالب رہتا تھا اس لئے کبھی تو دم کر دیتے تھے اور بعض مرتبہ تھوک دیتے اور اس سے ہندوؤں کو ذرہ برابر بھی ناگواری نہ ہوتی تھی ایسے لوگوں سے بعض غیر معتقد ہندوؤں نے بطور اعتراض کہا کہ تم مسلمان کا تھوک کھاتے ہو۔ اس پر ان معتقدین نے جواب دیا تھا کہ ان کا کیا ہندو کیا مسلمان۔

۸۔ خلاف اصول سے مولاناؒ کا غصہ | فرمایا: کہ ایک مرتبہ حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب کے یہاں مجھ کو ڈانٹ پڑی تھی۔ میں رات کو پہنچا تو بہت خفا ہوئے کہ یہ وقت آنے کا ہے۔ تم کو خدا کا خوف نہ آیا تم کو زمین نہ نگل گئی۔ میں نے دل میں کہا کہ جو چاہے کہہ لیں ہم تو سننے ہی کے واسطے آئے ہیں۔ اس وقت تو اس کا استحضار تھا ؎

تو بیک زخمے گریزانی ز عشق　　　　تو بجز نامے چہ میدانی ز عشق

الحمد للہ کا شکر مجھ کو برا معلوم نہیں ہوا۔ مولانا کی باتیں عجیب ہوتی تھیں۔

۹۔ اصولی بات | فرمایا مولانا فضل الرحمٰن صاحب گنج مراد آبادیؒ نے مولوی محمد علی صاحب سے فرمایا تھا کہ کسی کو ساتھ مت لایا کرو اس سے تکلیف ہوتی ہے۔ حاصل یہ تھا کہ تمہارے ساتھ اور معاملہ ہے۔ اور آنے والے کے ساتھ نہ معلوم کیا برتاؤ مناسب ہے۔ تمہارے ساتھ ہونے کی وجہ سے اسکی رعایت کرنا پڑتی ہے۔ کیسی اصولی بات فرمائی۔ حالانکہ مجذوب تھے۔ مگر نہ معلوم کس طرح یہ اصول قلب میں آتے تھے۔ اب تجربہ کے بعد معلوم ہوا کہ واقعی ایسا ہی کرنا چاہیئے۔

۱۰۔ شریعت کے سامنے احوال و مواجید سب ہیچ | فرمایا ایک صاحب حج کا ارادہ رکھتے تھے حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب گنج مراد آبادیؒ کی خدمت میں اجازت لینے کے لئے حاضر ہوئے۔ مولاناؒ کو ان کی سب سے وہابیانی معلوم تھی۔ فرمایا جہاں جاتے ہو اس کو جیہ کی نسبت الٹا بھی جانتے ہو۔ ایک صاحب نے سے ساختہ

شعر پڑھ دیئے ۔

اے دل آں بہ کہ خراب از مئے گلگوں باشی — بے زر و گنج بصد حشمت قاروں باشی

در رہ منزل لیلیٰ کہ خطرہاست بجاں — شرط اوّل قدم آنست کہ مجنوں باشی

یہ عارفانہ رنگ کا جواب تھا۔ یہ کا طبعی اثر مولانا پر بھی ہوا کہ ایک چیخ نکل گئی۔ مگر فوراً شیخ سنبھل گئے سنبھل کر فرمایا کہ شرعی شرائط کے مقابلہ میں سب ہیچ ہے۔ درحقیقت تصوف کو بھی ان حضرات نے پورا سمجھا تھا احوال و مواجید سب اپنی جگہ مگر ان پر شرعی حدود کا پہرا لگا ہوا ہے۔ (مجالس حکیم الامت ص ۶۶)

۱۱۔ ذکر مولا | فرمایا: کسی نے حضرت مولاناؒ سے ذکر مولود کا پوچھا تو فرمایا یہاں ہم ہر وقت ذکر مولود کرتے ہیں اور کلمہ پڑھ کر سنا دیا اور فرمایا یہ بھی مولود ہو گیا۔ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم پیدا نہ ہوتے تو ہم یہ کیوں پڑھتے۔ اس نے کہا کبھی بلاواسطہ بھی تو ذکر رسولؐ ہونا چاہیئے۔ فرمایا: لو ابھی کرتے ہیں۔ اور یہ شعر پڑھ دیا۔

نہ ہوتی باراں سے سوکھی زمین — یعنی آئے رحمۃ العالمین

مطلب یہ تھا کہ ہم بلا قید رسوم، مٹھائی، جلسہ، چراغاں، مجمعے آپؐ کا ذکر کرتے ہیں ۔

۱۲۔ اختلاف مذاق | فرمایا: دیوبند میں مولانا ذوالفقار علی صاحب کو مٹھائی بہت مرغوب تھی۔ اور مولانا فضل الرحمٰن گنج مراد آبادی کو کھٹائی کا بڑا شوق تھا۔ دونوں حضرات اپنی اپنی مرغوب شئے کے متعلق اشعار لکھتے تھے۔ دلائل بیان کرتے تھے۔ غرض اپنا اپنا مذاق ہے کسی کو کچھ مرغوب ہے کسی کو کچھ ۔

۱۳۔ سادگی میں لطف | فرمایا ہم نے بھی مولانا شاہ فضل الرحمٰن صاحب گنج مراد آبادیؒ کے یہاں اکثر ارہر کی دال اور روٹی کھائی تھی۔ جو مزہ ان کے اس کھانے میں آیا وہ بڑی بڑی دعوتوں میں بھی نہیں آیا۔ (راحت القلوب ص ۲۱)

۱۴۔ حقیقی مرید کی تعریف | فرمایا: مجھ سے اودھ کے ایک رئیس لوگ کہنے لگے کہ مولانا شاہ فضل الرحمٰن صاحبؒ کے یہاں تو مریدوں کی بڑی بے قدری ہوتی ہے۔ ہر وقت نکالنے کا حکم زبان پر رہتا ہے۔ ایسا شیخ بتاؤ جہاں مریدوں کی قدر ہوتی ہو۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔ لیجئے یہ طلب رہ گئی ہے کہ مریدین چاہتے ہیں کہ پیر ایسا ہو جو ہماری قدر کرے جس مرید کو اپنی قدر کرانے کی خواہش ہوگی وہ کیا خاک شیخ کی اطاعت کریگا۔ طلب تو اس کا نام ہے کہ مرید اپنی طرف سے اس کے لئے آمادہ رہے کہ اگر شیخ برسر بازار بھی جوتیاں مارے تو ذرا سا میل بھی دل میں نہ آئے اگرچہ شیخ عمر بھر ایسا نہ کرے مگر مرید کو ہر وقت اس کے لئے تیار رہنا چاہیئے ۔

۱۵۔ عامل کو خدا پر توکل نہیں رہتا | فرمایا: حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب گنج مراد آبادی کا ذکر کرتے ہیں کہ فرماتے تھے کہ اگر صاحب نسبت عمل کرے تو نسبت سلب ہو جاتی ہے۔ تو اسکی وجہ یہ ہے کہ عامل کو خدا پر توکل نہیں رہتا اور عجب پیدا ہو جاتا ہے۔

(باقی آئندہ)

خانقاہ سراجیہ کندیاں
ایک علمی اور روحانی مرکز
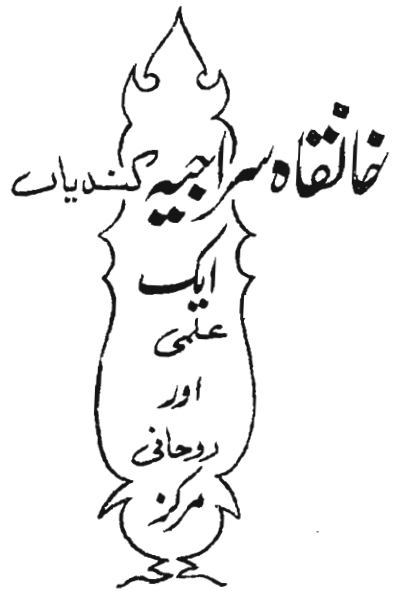
محمد نذیر رانجھا
ادارہ تحقیقات فارسی ایران۔ راولپنڈی

کندیاں سے اگر بذریعہ ٹرین ملتان کیطرف جائیں تو ڈھائی میل کے سفر کے بعد گاڑی ایک چھوٹے سے اسٹیشن پر رکتی ہے۔ وہاں سے جنوب کیطرف چھ یا سات فرلانگ کے فاصلے پر درختوں کے جھنڈ میں ایک گنبد نظر آتا ہے ۔۔۔۔ اس اسٹیشن کا نام "خانقاہ سراجیہ" ہے۔ اور وہ گنبد خانقاہ سراجیہ کی مسجد کا ہے۔ جغرافیائی لحاظ سے اس بستی کا یہی محل وقوع ہے۔ مگر علمی اور روحانی لحاظ سے اس بستی کے بارے میں بہت کچھ کہا جاتا ہے۔ خانقاہ شریف کے بانی حضرت مولانا ابوالسعد احمد خان قدس سرہٗ العزیز تھے اور آپ نے اس کا نام اپنے پیر و مرشد قطب الاولیاء حضرت مولانا سراج الدین نور اللہ مرقدہٗ کے نام نامی کی مناسبت سے خانقاہ سراجیہ رکھا تھا۔

بانی خانقاہ سراجیہ حضرت مولانا ابوالسعد احمد خان صاحبؒ کے مختصر احوال شریف یہ ہیں:

ولادت باسعادت | آپ کی ولادت باسعادت موضع کھبڑا ضلع میانوالی میں ملک مستی خان صاحبؒ کے گھر سنہ ۱۲۹۷ھ میں ہوئی۔

تعلیم | تعلیم قرآن سے فارغ ہونے کے بعد آپ کو عربی علوم سیکھنے کا شوق ہوا۔ کھبڑے میں درس عربی کا انتظام نہ ہونے کی وجہ سے آپ موضع سبلوان میں حضرت مولانا عطا محمد قریشیؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عربی صرف نحو کی ابتدائی کتابیں ان سے پڑھیں۔ پھر بندھیال ضلع میانوالی کے مدرسہ میں حضرت مولانا نامیؒ کے شاگردوں میں شامل ہو گئے۔ یہاں عربی کی متوسطات پڑھنے کے بعد تکمیل علم کیلئے ہندوستان کا سفر اختیار کیا۔ پہلے مراد آباد اور پھر کانپور تشریف لے گئے۔ یہاں مولانا احمد حسینؒ کانپوری اور مولانا

عبید اللہ صاحب بکھڑوی سے فقہ و حدیث تفسیر صرف و نحو، منطق و فلسفہ اور ادب و معانی کی کتابیں پڑھیں۔

تکمیل سلوک | جب آپ بڈھیاں میں تحصیل علم میں مگن تھے، اسی دوران حضرت خواجہ محمد عثمان نور اللہ مرقدہٗ کے خلیفۂ مجاز حضرت سید پیر لعل شاہؒ کے دست مبارک پر سلسلہ نقشبندیہ میں بیعت ہو گئے تھے۔ جب آنحضرتؒ اس دار فانی سے رحلت فرما گئے تو آپ سرتاج الاولیاء حضرت خواجہ محمد عثمان نور اللہ مرقدہٗ کی خدمت میں تجدید بیعت کی غرض سے حاضر ہوئے مگر آنحضرت نور اللہ مرقدہٗ نے آپ کو فارغ التحصیل ہونے تک حضرت سید پیر لعل شاہؒ کے فرمودہ ذکر و شغل پر عمل پیرا رہنے کی تلقین فرمائی اور تحصیل سلوک کا جذبہ پختہ ہونے پر تجدید بیعت کا مشورہ دیا۔

جب آپ حصول علم سے فارغ ہوئے تو تحصیل سلوک کے ذوق نے آلیا۔ آپ حضرت خواجہ محمد عثمانؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر روحانی کمالات حاصل کرنے لگے یہاں تک کہ ولایت صغریٰ کی نہایت تک رسائی حاصل کر لی۔ جب حضرت خواجہ محمد عثمان نور اللہ مرقدہٗ نے اس خاکدان عالم فانی سے پردہ اختیار فرما لیا تو آپ نے آنحضرت کے خلیفۂ اعظم حضرت خواجہ سراج الدین نور اللہ مرقدہٗ سے تجدید بیعت کر لی۔

حضرت مولانا ابوالسعد احمد خان قدس سرہٗ العزیز نے اپنے شیخ کی خدمت بجا لانے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔ سردی کے موسم میں رات بھر ٹھٹھرتے میں ملبوس ہو کر اپنے پیر و مرشد کے دروازے کے سامنے کھڑے ذکر و شغل میں مصروف رہتے اور دل میں تمنا یہ ہوتی کہ جیسے ہی پیر و مرشد حویلی سے باہر قدم رنجہ فرمائیں گے آپ کی پہلی نگاہ مجھ پر پڑے گی۔ اور اس روز کی پہلی خدمت بجا لانے کا شرف بھی مجھے ہی نصیب ہوگا۔

عطائے خلافت | جب آپ نے سلوک کے سب مقامات پر عبور حاصل کر لیا تو آپ کے پیر و مرشد نے آپ کو سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ اور دوسرے تمام سلاسل ولایت میں مجاز قرار دے دیا۔

آپ کے پیر و مرشد کو آپ کے کمالات پر اس قدر فخر تھا کہ اپنے ارادتمندوں کو فرمایا کرتے تھے کہ جو لوگ دور دراز علاقوں میں رہتے ہیں اور مشکلات سفر برداشت نہیں کر سکتے وہ موسیٰ زئی شریف میں میرے پاس آنے کی بجائے حضرت مولانا احمد خانؒ سے کسب فیض حاصل کریں۔ انشاء اللہ انہیں میرے پاس آنے سے بھی زیادہ فائدہ ان سے پہنچے گا۔ جن لوگوں نے آپ کا زمانہ دیکھا ان کا کہنا ہے کہ آپ کے پاس بیسیوں صاحب سلوک آتے اور عرفان و تصوف کی منازل طے کرنے میں آپ سے روحانی فیض

حاصل کرتے ۔ خانقاہِ سراجیہ پہ طالبانِ حق کا تانتا بندھا رہتا۔ آپ اپنے علاقہ ضلع میانوالی کے علاوہ برصغیر پاک و ہند کے دور دراز کے علاقوں تک اپنے روحانی کمالات کی وجہ سے مشہور تھے۔

منقول ہے کہ آپ زندگی کے آخری دنوں میں فرمایا کرتے تھے کہ میں نے کسی مرید کو محروم نہیں رکھا ہر شخص کو اس کی استعداد کے مطابق سلسلۂ نقشبندیہ کے فیوض و برکات سے بہرور کیا۔ تعلیم و تربیت کا یہ دور مکمل ہو چکا ہے۔ اب آرزو ہے کہ اگر ذات باری تعالیٰ فرصت عطا فرمائے تو ایک نئے دور کا آغاز ہو۔ پہلے کی طرح طالبانِ حق کو داخل طریقہ کروں اور انہیں وصول الی اللہ کی سب منزلیں طے کراؤں۔

آپ سے بیشمار کرامات ظہور پذیر ہوئیں۔ آپ قیوم زماں اور حضرت اعلیٰ کے القاب سے مشہور تھے۔ خانقاہ سراجیہ کو آپ نے مثالی طریقت گاہ بنایا۔ مدرسہ تعلیم القرآن کی بنیاد رکھی، ایک عظیم الشان مسجد تعمیر کرائی۔ کتاب خانۂ سعدیہ کی داغ بیل ڈالنے کے بعد اسے پاکستان کا ایک مثالی کتابخانہ بنایا۔ آپ کی ذاتِ عالیہ عرفان و تصوف کا آفتاب تھی۔ آپ ۲۰ سال تک رشد و ہدایت کے فلک پر طلوع ہو کر اپنی ضیاپاشیوں سے طالبانِ حق کے دلوں کو روشنی بخشتے رہے۔

وصال مبارک | ۱۲ صفر ۱۳۶۰ھ کو ۶۳ سال کی عمر پاکر آپ خالق حقیقی سے جا ملے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ آپ کا مزار پر انوار خانقاہ سراجیہ کی مسجد کے شمال مغرب میں موجود ہے۔

جانشین اور خلفاء | آپ نے نائب قیوم زمان صدیق دوراں حضرت مولانا محمد عبداللہ صاحب لدھیانوی کو اپنا جانشین نامزد فرمایا۔ آپ کے خلفاء کی تعداد بتیس ۳۲ تھی جو برصغیر پاک و ہند کے مختلف گوشوں میں لوگوں کو عرفان و تصوف سے مالامال کرتے رہے۔

مولانا محمد عبداللہؒ کے مختصر احوال

نسب مبارک | آپ کے والد ماجد حضرت میاں نور محمدؒ ولد میاں قطب الدین موضع سلیم پور سدھوال تحصیل جگراؤں ضلع لدھیانہ کے رہنے والے تھے۔ نہایت ہی دیندار، پاک طینت اور سادہ انسان تھے۔

ولادت باسعادت | حضرت مولانا محمد عبداللہ قدس سرہٗ العزیز، میاں نور محمد صاحبؒ کے گھر ۵ اکتوبر ۱۹۰۲ء کو پیدا ہوئے۔

تعلیم و تربیت | جب آپ کی عمر مبارک چھ برس ہوئی تو والد ماجد نے آپ کو قریبی مسجد میں تعلیم قرآن حاصل کرنے کے لئے بھیج دیا۔ آپ نے جلد ہی قاعدہ، پارہ عم کی ناظرہ تعلیم، شش کلمے،

نماز کی تراکیب، نماز میں پڑھی جانے والی سورتیں اور دعائیں حفظ فرمالیں۔ اس کے ساتھ ہی پہلی جماعت میں داخل کرا دئیے گئے۔

مڈل پاس کرنے کے بعد دھرم کوٹ ضلع فیروز پور میں دینی تعلیم حاصل کرنے کی غرض سے مولانا محمد ابراہیم سلیم پوری کے پاس تشریف لے گئے۔ اس کے بعد مدرسہ عزیزیہ لدھیانہ میں زیر تعلیم رہے۔ پھر دارالعلوم دیوبند میں تشریف لے گئے اور درسِ نظامی کے متوسطات سے دورۂ حدیث تک کے جملہ علوم کی کتابیں وہیں پڑھیں۔

تکمیلِ سلوک | دارالعلوم دیوبند سے فارغ التحصیل ہونے کے بعد آپ اپنے گھر تشریف لے گئے۔ اسی دوران آپ کی شادی ہوگئی۔ کسب معاش کے سلسلے میں آپ نے حکمت کو ذریعۂ معاش بنانے کا خیال فرمایا اور حکمت سیکھنے کی غرض سے عازمِ سرگودھا ہوئے اس زمانہ میں حکیم عبدالرسول صاحب سرگودھا میں طب کا درس دیتے تھے آپ ان کے پاس رہ کر فنِ طب سیکھنے لگے۔

حکیم صاحب حضرت اعلیٰ مولانا ابوالسعد احمد خان بانی خانقاہ سراجیہ کے ارادتمندوں میں سے تھے اور آپ اکثر حکیم صاحب کے ہاں تشریف فرما ہوا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت کے بارے میں حکیم صاحب سے دریافت فرمایا۔ حکیم صاحب نے عرض کیا کہ ان کا نام مولوی محمد عبداللہ ہے۔ دارالعلوم دیوبند سے فارغ التحصیل ہیں اور طب سیکھنے کیلئے یہاں آئے ہیں۔ اس پر حضرت نے فرمایا: "یہ طبیب بنتے تو نظر نہیں آتے۔ البتہ آپ انہیں پڑھاتے رہیں تاکہ ان کا شوق پورا ہو جائے"۔

اس واقعہ کے کچھ عرصہ بعد حضرت مولانا محمد عبداللہ حکیم صاحب کے ہمراہ خانقاہ سراجیہ پر حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضرت نے حکیم صاحب سے فرمایا: "آپ مولانا محمد عبداللہ صاحب کو اپنی حکمت جلد پڑھا دیں۔ کیونکہ اس کے بعد مجھے ان کو اپنی حکمت بھی پڑھانی ہے"۔

پھر آپ نے یہ شعر پڑھا ؎

چند خوانی حکمت یونانیاں
حکمت ایمانیاں راہم بخواں

حضرت مولانا محمد عبداللہؒ نے جب آپ کی زبان مبارک سے یہ شعر سنا تو ذوقِ طب سرد پڑ گیا واپس سرگودھا پہنچ کر حضرت کو اپنے حالِ دل سے بذریعہ خط آگاہ فرمایا۔ حضرت نے حکیم صاحب کو لکھا کہ مولانا محمد عبداللہ صاحب کی طبی تعلیم جہاں تک ہوگئی ہے کافی ہے۔ انہیں خانقاہ پر بھیج دیجئے۔ پھر آپ خانقاہ سراجیہ پر آگئے اور آئے بھی یوں کہ پھر ہمیشہ کیلئے یہیں کے ہو کر رہ گئے۔ پندرہ برس تک

آپ نے حضرت سے روحانی فیض حاصل کیا اور اس عرصہ میں ہمیشہ سفر و حضر میں آپ کی صحبت سے مشرف ہوتے رہے۔ باطنی کمالات کو حاصل کرنے کے بعد مجاز طریقت ہو گئے۔

عطائے خلافت | حضرت مولانا ابوالسعد احمد خان صاحبؒ نے اپنی حیات مبارک میں ہی آپ کو اپنا جانشین نامزد فرما لیا تھا۔ اور اپنے جامع وصیت نامہ میں حضرت مولانا محمد عبداللہؒ کو خانقاہ سراجیہ کی مسند ارشاد پر جلوہ افروز ہونے کی اجازت مرحمت فرمانے کے علاوہ خانقاہ شریف کی جملہ املاک کے حقوق وراثت بھی آپ کو عطا فرما دیئے تھے۔

ادائے فرض منصبی | جو منصب عالیہ آپ کو اپنے پیر و مرشد نے عطا فرمایا تھا۔ آپ نے اسے ایک اہم فریضہ سمجھ کر پورا کیا۔ اپنے دل و دماغ کو ہر قسم کے انتشار سے فارغ رکھ کر طالبان حق کی راہنمائی فرمائی۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے آپ کو توجہ عنایت کی بے پناہ قوت عنایت فرمائی تھی۔ آپ کی ایک معمولی سی نظر طالب حق کے قلب و روح کو کیف و سرور سے معمور کر دیتی تھی۔ جو مسند عالیہ آپ کو عطا ہوئی تھی۔ آپ نے اس کو اپنی اور اپنے اہل و عیال کی آسائشوں کیلئے استعمال نہ کیا۔ اپنے پیر و مرشد کے آستانہ مبارک کی عزّت و حرمت کو مقدم سمجھا اور طریقہ عالیہ نقشبندیہ مجدّدیہ کی خدمت کو اپنی زندگانی کا شعار بنائے رکھا۔ خانقاہ شریف کے کتب خانہ سعدیہ میں توسیع فرمائی حج پر تشریف لے گئے۔ تو مدینہ منوّرہ سے نادر کتابیں خرید کر ہمراہ لائے۔ خانقاہ شریف کے مدرسہ تعلیم القرآن کی کارکردگی کو بہتر بنایا۔ علاوہ ازیں خانقاہ سراجیہ سے متوسل تمام حضرات کی راہنمائی فرمانے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ چھوڑا۔

آپ کو حضرت سے بے پناہ محبت تھی، جب ان کی یاد آتی تو ہجر سے بیقرار ہو کر یہ شعر پڑھتے پڑھتے رونے لگتے ؎

باز گو از نجد و از یاران نجد   تا در و دیوار را آری بوجد

؎ مرے بابل جدوں دی جائیاں میں
خدا جانے ترے لڑ لائیاں میں

ختم نبوتؐ سے لگاؤ | آپ کو ختم نبوتؐ سے والہانہ لگاؤ تھا ———— آپ منکرین ختم نبوت اور اس عقیدہ میں من گھڑت تاویلات کرنے والوں کو اسلام کا سب سے بڑا دشمن خیال فرماتے تھے، جب ۱۹۵۳ء میں ارباب اقتدار نے داعیان ختم نبوت کو جان سے مار دینے کا حکم دیا تو آپ نے داعیان ختم نبوت کو حکمت عملی سے اپنے پاس بلایا اور محفوظ و مخفی مقام

پر حالات درست ہونے تک انہیں رکھا۔

وصال مبارک | آپ رضائے الٰہی سے جمعرات کے روز ۲۷ر شوال ۱۳۷۶ھ ساڑھے بارہ بجے رات رفیقِ اعلیٰ سے جا ملے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ آپ کا مزار پُر انوار خانقاہِ سراجیہ کی مسجد کے شمال مغرب میں موجود ہے۔

آپ کے جانشین | آپ کے وصال مبارک کے بعد خانقاہِ سراجیہ سے متعلق جملہ مریدین، بزرگان اور اکابرین نے متفقہ طور پر آپ کے منظورِ نظر اور خلیفۂ اعظم حضرت سیدنا و مرشدنا مولانا ابوالخلیل خان محمد مدظلہٗ العالی کے دستِ حق پرست پر تجدید بیعت کر لی۔ آپ تاحال فیضانِ نقشبندیہ مجددیہ کی سلک تابدار بن کر اس سلسلۂ پاک کے فیوض و برکات سے تمام طالبانِ حق کو مشرف فرما رہے ہیں ــــــ۔

حضرت مولانا خان محمد صاحب مدظلہٗ

ولادت باسعادت | آپ بانی خانقاہ سراجیہ حضرت مولانا ابوالسعد احمد خان قدس سرہٗ العزیز کے چچازاد بھائی حضرت خواجہ عمر رحمۃ اللہ کے گھر موضع ڈنگ ضلع میانوالی میں ۱۹۲۰ء میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد ماجد ایک اچھے خاصے زمیندار تھے ان کے چار صاحبزادے تھے جن میں سے دو کا انتقال ہو گیا۔ سب سے بڑے صاحبزادے ملک شیر محمد صاحب مرحوم تھے اور ان سے چھوٹے قبلہ حضرت صاحب مدظلہ العالی ہیں۔ آپ سے چھوٹے ملک فتح محمد مرحوم تھے اور ان سے چھوٹے ملک محمد افضل صاحب ہیں۔

حضرت نے ایک مرتبہ آپ کے والد حضرت خواجہ عمر صاحبؒ سے فرمایا کہ آپ کے پاس تین ایسی چیزیں ہیں کہ میرے پاس اس قسم کی ایک بھی نہیں آپ ان میں سے ایک مجھے دے دیں (اس وقت حضرت خان محمد مدظلہٗ العالی کے ہر دو برادران شیر محمدؒ اور فتح محمدؒ حیات تھے۔ اور آپ تینوں بھائیوں میں منجھلے تھے۔ مکرمی محمد افضل صاحب ابھی تولد نہ ہوئے تھے) اتفاق کی بات کہ ان دنوں لنگر کی شیردار بھینس خشک ہو چکی تھی۔ اور حضرت خواجہ عمرؒ کے پاس تین بھینسیں تھیں۔ چنانچہ انہوں نے خیال کیا کہ حضرت اعلیٰ قدس سرہٗ العزیز اپنے لنگر کے درویشوں کے لئے ایک بھینس طلب کر رہے ہیں۔ لہٰذا فرمایا کہ آپ میری تینوں شیردار بھینسیں لے لیں۔ اس پر حضرت اعلیٰ قدس سرہٗ العزیز مسکرائے اور فرمایا: "خواجہ عمرؒ ہمیں کسی بھینس کی احتیاج نہیں اپنا ایک فرزند ہمیں دے دو۔ حضرت خواجہ عمرؒ نے جواب دیا کہ آپ جونسا لڑکا پسند فرمائیں وہ آپ کی خدمت کے لئے حاضر ہے۔ چنانچہ حضرت اعلیٰ کے ارشاد کے مطابق حضرت خان محمد مدظلہٗ کو

سکول کی تعلیم سے اٹھا کر آپ کی خدمت میں خانقاہ شریف بھیج دیا گیا۔ (تحفۃ السعدیہ ص۳۲۶)

تعلیم و تربیت آپ نے چھٹی تک لوئر مڈل سکول گھولہ میں تعلیم حاصل کی۔ جب آپ حضرت اعلیٰ قدس سرہٗ العزیز کی مراد بن کر خانقاہ شریف پر آئے تو سب سے پہلے قرآن مجید پڑھا۔ پھر فارسی نظم و نثر اور علم صرف و نحو کی کتابیں اپنے پیر و مرشد حضرت مولانا محمد عبداللہ قدس سرہٗ سے پڑھیں۔ اس کے بعد دار العلوم عزیزیہ بھیرہ اور پھر جامعہ اسلامیہ ڈابھیل ضلع سورت میں متوسطات عربی اور حدیث کی تعلیم مکمل کی ۱۳۲۶ھ میں دار العلوم دیوبند تشریف لے گئے اور مولانا اعزاز علی صاحبؒ اور دیگر قابل اساتذہ سے دورہ حدیث پڑھا۔

دار العلوم دیوبند سے فارغ التحصیل ہونے کے بعد خانقاہ سراجیہ پر تشریف لائے۔ علوم دینیہ سے سیراب ہونے کے بعد اب قلب تزکیۂ باطن کے لئے تیار ہو چکا تھا۔ اسی دوران آپ نے اپنے پیر و مرشد سے کنز الہدایات، مکاتیب حضرت شاہ غلام علی دھلویؒ، مکتوبات معصومیہ، ہدایۃ الطالبین اور مکتوبات امام ربانی پڑھے۔

خدمتِ شیخ آپ نے حضرت کی خدمت میں کئی برس گذارے۔ اس لئے آنحضرت قدس سرہٗ العزیز کے جملہ خانگی امور کی انجام دہی کا شرف حاصل ہوا۔ خانقاہ شریف کے مکانات کی تعمیرات میں حصہ لیا۔ آپ نے اپنی حیات طیبہ کو درویشوں اور زائرین خانقاہ سراجیہ کی خدمت کے لئے وقف رکھا اور ابھی تک خدمت کا یہ سلسلہ جاری ہے۔ آپ نے حضرت اعلیٰ قدس سرہٗ العزیز کی وفات کے بعد حضرت ثانی مولانا محمد عبداللہؒ کی خدمت میں پندرہ سال گزارے۔

حضرت قبلہ کی سجادہ نشینی حضرت ثانی مولانا محمد عبداللہ قدس سرہٗ العزیز کے وصال کے بعد خانقاہِ سراجیہ سے متوسل جملہ اکابرین نے آپ کے دست مبارک پر تجدید بیعت کر لی۔ اس طرح فیض روحانی کا جو سلسلہ حضرتؒ سے جاری ہوا تھا۔ اور حضرت ثانیؒ کی ذات سے خانقاہ سراجیہ جس فیض کا مرکز بن گیا تھا اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے اسے جاری و ساری رکھنے کے لئے امام پاکباز ان نور عرفاں دہادی دوراں حضرت مولانا ابو الخلیل خان محمد مدظلہ العالی کو منتخب فرمایا۔ آپ تاحال خانقاہ سراجیہ کی مسند ارشاد پر جلوہ افروز ہیں۔ اور مجھ جیسے تشنہ لب و قلب مریدین کی سیرابی فرما رہے ہیں۔

ختم نبوتؐ سے لگاؤ اور علوم اسلامیہ کی ترویج و اشاعت کی کوششیں آپ کو ختم نبوتؐ سے والہانہ لگاؤ ہے۔ اور آپ حضرت ثانی قدس سرہٗ العزیز کے زمانہ مبارک میں ختم نبوتؐ کے داعی ہونے کی وجہ سے میانوالی کی جیل میں قید رہے۔ موجودہ دور میں جب اس فتنہ نے سر اٹھایا تو حضرت

باقی ص۲۵ پر

مولانا حافظ سعد الرشید۔ ارشد۔ فاضل دارالعلوم حقانیہ
ایم۔ اے اسلامیات عربی آنرز۔ ایم۔ اے عربی

قسط (۲)

۸۔ دعاء ہدایت :۔۔۔ حقیقت یہ ہے کہ نفس انسانی برے خیالات و خواہشات سے مرکب ہے۔ صرف پروردگار کی رحمت کے طفیل ہدایت و استقامت حاصل ہو سکتی ہے۔ اسی وجہ سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیشہ طلب ہدایت کی دعا فرمایا کرتے تھے۔ تاکہ امتیوں کو تعلیم دے دیں۔ کہ ہدایت فضل ایزدی پر منحصر ہے۔ مقدور بھر کوشش کے بعد رحمتِ الٰہی پر بھروسہ کر لینا چاہیئے۔

خلاصہ یہ کہ تزکیۂ نفس کا بہترین طریقہ شریعت کے احکام پر عمل اور عبادات مثلاً نماز، روزہ، حج، اذکار مسنونہ۔ انفاق فی سبیل اللہ تعالیٰ، تلاوت، درود شریف، توبہ اور دعا وغیرہ کی کثرت ہے۔ لیکن اس کے لئے مضبوط ارادہ، استعانت الٰہی اور نیک صحبت نہایت ضروری ہے۔ ان کے بغیر حقیقی اور پائیدار کامیابی نہیں مل سکتی۔ شریعت ہی کے ذریعے سے تزکیۂ نفس ممکن ہے۔ اس لئے کہ شریعت اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ ہے۔ وہی ذات پاک جو نفس کی تمام پیچیدگیوں سے بخوبی باخبر ہیں بغرضیکہ تزکیۂ نفس ہر قسم کی کامیابی کے لئے شرطِ اوّلین ہے۔ خواہ وہ دنیوی مقاصد کی کامیابی ہو یا اخروی نصب العین کی۔ جو انسان اپنے خیالات، اپنے اقوال اور اپنے اعمال کو کنٹرول میں نہیں رکھ سکتا۔ وہ دنیا میں کوئی قابل تعریف یا قابلِ ذکر مقام حاصل نہیں کر سکتا۔ اسی طرح جو شخص خواہشات نفسانی کو اپنا خدا بنا لیتا ہے۔ اور شتر بے مہار بن کر اپنی ہر جائز و ناجائز خواہش کی تکمیل کو مقصد زندگی سمجھ لیتا ہے۔ وہ اخروی کامیابی سے بھی محروم رہتا ہے۔ اور دنیا میں بھی اپنے انجام بد سے نہیں بچ سکتا۔

یہ ایک مسلمہ حقیقت کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو نیک و بد کا علم دیا ہے۔ حق اور باطل کو واضح

طور پر آشکارا فرما دیا ہے۔ نفس انسانی اگرچہ بدی پر اکساتا ہے۔ مگر جو لوگ ضبط نفس کے ذریعے بُری خواہشات کا مقابلہ کرتے ہوئے حق کا دامن تھام لیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو انسانیت کے بلند مراتب پر ترقی عطا فرماتا ہے۔

لیکن اگر وہ دنیا کے فائدوں اور لذّتوں پر ایسے فریفتہ ہو جائیں، کہ نفس کے ناجائز خواہشات کا مقابلہ کرنے کی بجائے ان کے آگے سپر ڈال دیں، حرص و طمع اور شہوت و غضب کے دام میں ایسے پھنس جائیں کہ اپنے سب اونچے ارادوں اور اپنی عقلی و اخلاقی ترقی کے سارے امکانات کو ختم کر دیں۔ تو وہ اسفل السافلین کو پہنچ جاتے ہیں۔ اور قرآن مجید کی تصریح کے مطابق وہ کتوں اور چوپائیوں بلکہ ان سے بھی بدتر قرار پاتے ہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنٰهُ بِهَا وَلٰكِنَّهٗۤ اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ الْكَلْبِ۔ الآیۃ۔ (الاعراف پ۹ ع ۲۲)

"یعنی اگر ہم چاہتے تو ان آیتوں کی بدولت اس کا رتبہ بلند کرتے۔ لیکن وہ تو زمین کا ہو رہا۔ اور اپنی خواہش کے پیچھے ہو لیا۔ تو اس کا حال کتّے کی طرح ہو گیا۔"

حضرت العلّامہ مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"یہاں ایسے ہوا پرستوں کا انجام بتلایا گیا ہے۔ جو حق کے قبول کرنے یا پوری طرح سمجھ لینے کے بعد محض دنیوی طمع اور سفلی خواہشات کی پیروی میں احکام الٰہیہ کو چھوڑ کر شیطان کے اشاروں پہ چلنے لگیں۔ اور خداوند قدوس کے عہد و میثاق کی کچھ پروا نہ کریں۔"

(تفسیر عثمانی ص ۲۱۱)

آگے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلَقَدْ ذَرَاْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيْرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ ۔ لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا وَلَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا ط اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ ط اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ۔ الآیۃ۔

(الاعراف پ۹ ع۲۲)

"یعنی دل، کان، آنکھ سب کچھ موجود ہیں۔ لیکن نہ دل سے "آیات اللہ تعالیٰ" میں غور کرتے ہیں نہ قدرت کے نشانات کا بنظر تعمق و اعتبار مطالعہ کرتے ہیں اور نہ خدائی باتوں کو بسمع قبول سنتے ہیں۔ جس طرح چوپائے جانوروں کے تمام ادراکات صرف کھانے پینے اور بہیمی جذبات کے دائرہ میں محدود

ہوتے رہیں۔ یہی حال ان کا ہے۔ کہ دل و دماغ۔ ہاتھ۔ پاؤں، کان، آنکھ غرض خدا کی دی ہوئی سب توتیں محض دنیوی لذائذ اور مادی خواہشات کی تحصیل و تکمیل کے لئے وقف ہیں۔ انسانی کمالات اور ملکوتی خصال کے اکتساب سے کوئی سروکار نہیں بلکہ غور کیا جائے۔ تو ان کا حال ایک طرح چوپائے جانوروں سے بھی بدتر ہے۔ جانور مالک کے بلانے پر چلا آتا ہے۔ اس کے ڈانٹنے سے رک جاتا ہے۔ یہ کبھی مالک حقیقی کی آواز پر کان نہیں دھرتے پھر جانور اپنے فطری قوٰی سے وہ ہی کام لیتے ہیں، جو قدرت نے ان کے لئے مقرر کر دیا ہے۔ زیادہ کی ان میں استعداد ہی نہیں، لیکن ان لوگوں میں روحانی و عرفانی ترقیات کی جو فطری قوّت و استعداد ودیعت کی گئی تھی۔ اُسے مہلک غفلت اور بے راہ روی سے خود اپنے ہاتھوں ضائع اور معطل کر دیا گیا۔

(تفسیر عثمانی صـــ۲۰۲)

تزکیۂ نفس ایک مسلسل عمل ہے۔ اور ساری زندگی اس کی ضرورت رہتی ہے۔ زندگی کے کسی بھی سٹیج پر اس سے غفلت برتی جائے۔ تو سارے کئے کرائے پر پانی پھیر جاتا ہے۔ گناہ سے نفس زنگ آلود ہوتا ہے۔ تزکیہ کے ذریعے اسے متواتر پاک و صاف کر کے اس کو نشو و نما دی جاتی ہے۔ انسان کا حقیقی تزکیہ ہو جائے تو اس کی پوری زندگی کی کایا پلٹ جاتی ہے۔ اس کے خیالات، احساسات، جذبات، تعلقات، معاملات، عبادات، غرضیکہ روز و شب کے تمام معمولات صحیح ہو جاتے ہیں۔ اور وہ ہدایات الٰہی کے مطابق عمل پیرا ہو جاتا ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خالق حقیقی کیطرف سے حکم ملتا ہے۔: وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ۔ الآیۃ۔ (المدثر پ۲۹ ع۱) یعنی کہ مخلوق کو اللہ تبارک و تعالیٰ کیطرف بلائیں۔ تاکہ وہ احکام الٰہی کو سمجھ کر عملی جامہ پہنا دیں۔

بعض علماء نے کپڑوں کے پاک رکھنے سے نفس کا بُرے اخلاق سے پاک رکھنا مراد لیا ہے اور گندگی سے دور رہنے کے معنی یہ لئے ہیں۔ کہ بتوں کی گندگی سے دور رہیئے۔ جیسے اب تک دور ہیں۔ بہرحال آیت ہذا میں طہارت ظاہری و باطنی کی تاکید مقصود ہے۔ کیونکہ اس کے بغیر اللہ تعالیٰ کی بڑائی کما حقہ دلنشین نہیں ہو سکتی۔ (تفسیر عثمانی صـــ۷۸۹)

اہل بیت کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا۔ الآیۃ۔ (الاحزاب۔ پ۲۲ ع۲)

مقصد یہ کہ اللہ تعالیٰ کا ارادہ یہ ہے۔ کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر والوں کو معصیت و نافرمانی کی آلودگی سے دور رکھے اور ان کو ظاہراً و باطناً عقیدۃً و عملاً و خلقاً بالکل پاک و صاف

رکھے۔ ان کے رتبہ کے موافق ایسی قلبی صفائی اور اخلاقی ستھرائی عطا فرائے۔ جو دوسروں سے ممتاز اور فائق ہو۔ یہاں تطہیر سے مراد تہذیب نفس، تصفیہ قلب اور تزکیۂ باطن کا وہ اعلیٰ مرتبہ ہے۔ جو کامل اولیاء اللہ کو حاصل ہوتا ہے۔ اور جس کے حصول کے بعد وہ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کیطرح معصوم تو نہیں بن جاتے ہاں محفوظ کہلاتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی صفحہ ۵۴۷)

عام مسلمانوں کے بارے میں ارشاد فرمایا:

مَنْ خَشِيَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَيْبِ وَجَاءَ بِقَلْبٍ مُّنِيبٍ ۝ ادْخُلُوهَا بِسَلَامٍ ذٰلِكَ يَوْمُ الْخُلُودِ۔ الآیۃ۔ (قٓ۔ پ۲۶۔ ع۳)

جن لوگوں نے دنیا میں خداوند قدوس کو یاد رکھا۔ اور گناہوں سے محفوظ ہو کر اس کیطرف رجوع ہوئے۔ اور بے دیکھے اس کے قہر و جلال سے ڈرے اور ایک پاک و صاف رجوع والا دل لے کر حاضر ہو جائے۔ اس جنت کا وعدہ ایسے لوگوں سے کیا گیا تھا۔

یہ حقیقت بھی اظہر من الشمس ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ کی ذات عالم الغیب والشہادۃ ہے۔ پوشیدہ اور مخفی رازوں سے واقف ہیں۔ اس لئے بندوں کو حکم دیا گیا: فَلَا تُزَكُّوا أَنْفُسَكُمْ ۖ هُوَ أَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقٰى۔ الآیۃ۔ (النجم۔ پ۲۷۔ ع۶) یعنی کہ اپنی تعریفیں کرنے میں وقت ضائع نہ کریں۔ وہی ذات پاک سب کی بزرگی اور پاکبازی کو خوب جانتا ہے۔

مزید برآں ارشاد فرمایا: (i) قَدْ أَفْلَحَ مَنْ زَكَّاهَا وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسَّاهَا۔ الآیۃ۔ (ii) قَدْ أَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى۔ الآیۃ۔ (الاعلیٰ۔ پ۳۰) (iii) وَمَنْ يَأْتِهِ مُؤْمِنًا قَدْ عَمِلَ الصَّالِحَاتِ فَأُولٰئِكَ لَهُمُ الدَّرَجَاتُ الْعُلٰى ۝ جَنَّاتُ عَدْنٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا ۚ وَذٰلِكَ جَزَاءُ مَنْ تَزَكّٰى۔ الآیۃ۔ (طٰهٰ۔ پ۱۶۔ ع۳)

مذکورہ بالا آیات کریمہ کا مقصد اس بات کی وضاحت کرنا ہے۔ کہ جو شخص ظاہری و باطنی حسی و معنوی نجاستوں سے پاک ہوا۔ اور اللہ تبارک و تعالیٰ کی رضامندی اور خوشنودی حاصل کرنے کے لئے اپنے قلب و قالب کو عقائد صحیحہ، اخلاق فاضلہ، اور اعمال صالحہ سے آراستہ کیا۔ اس نے نجات اور فلاح پائی۔ اور دنیا و آخرت میں کامیاب ہو گیا۔ اس کے لئے یہی قابل رشک مقامات اور قابل صد مبارکباد انعام ہیں ——

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے۔ کہ جس نے اپنے نفس کو پاک کر دیا یعنی اطاعت رب میں لگا رہا۔ نیک اعمال اور رذیل اخلاق چھوڑ دئے، وہ بامراد ہوا۔ (تفسیر ابن کثیر صفحہ ۱۵۵۔ پ۳۰)

حضرت مولانا مفتی محمد فرید صاحب
مفتی و مدرس دار العلوم حقانیہ

سوال :- حیلہ اسقاط کی حقیقت کیا ہے ۔ ؟

الجواب :- واضح رہے کہ جس مکلف (مسلمان، عاقل، بالغ) سے نماز و روزہ عمداً یا غیر عمداً فوت ہوئے ہوں، تو اس پر فرض ہے کہ ان کا باقاعدہ قضاء کرے، اور قضاء نہ کرنے کی صورت میں یہ شخص مجرم ہوگا۔ اور زندگی سے مایوسی کے وقت اس پر وصیت کرنا ضروری ہوگا۔ یعنی وہ وصیت کرے گا کہ اس کے منقولہ و غیر منقولہ جائداد کے ایک تہائی (۱/۳) سے ہر نماز اور روزہ کے مقابل دو دو سیر (انگریزی) گندم یا اسکی قیمت مساکین کو ادا کی جائے اور ایسی وصیت نہ کرنے کی صورت میں یہ شخص مجرم اور گنہگار مریگا۔ البتہ اگر اس شخص کا مال نہ ہو یا مال کی ایک تہائی (۱/۳) فراغت ذمہ کیلئے ناکافی ہو یا اس شخص نے جہل یا فسق کی وجہ سے فدیوں کے بارہ میں وصیت نہ کی ہو تو وارث وغیرہ اس میت کی طرف سے باقاعدہ حیلہ اسقاط کر سکتے ہیں۔ (ماخوذ از رد المحتار وغیرہ)

حیلہ کی تشریح | حیلہ یا مخرج اس مباح کام اور گفتار کو کہا جاتا ہے جس کے ذریعہ سے کسی مقصود کی طرف پوشیدہ طریقہ سے رسائی حاصل ہو۔ کما فی المفردات (ص ۱۳۸) الحیلۃ ما یتوصل بہ الی حالۃ ما فی خفیۃ ۔ انتہی۔ وفی فتح الباری (ص ۲۷۴ ج ۱۲) ھی ما یتوصل بہ الی مقصود بطریق خفی ۔ انتہی ۔

حیلہ کے بعض اقسام | حیلہ کے بہت سے اقسام ہیں۔ ان میں سے بعض یہاں ذکر کئے جاتے ہیں۔

(ا) وہ حیلہ ہے جو کہ تحلیل حرام کے لئے ہو اور ابطال شریعت کے لئے ہو۔ جیسا کہ اصحاب السبت نے تحلیل صید کے لئے کیا تھا۔ اور بعض یہود نے تحلیل شحم (چربی) کے لئے کیا تھا۔ (رواہ البخاری) یہ حیلہ بلاشک و شبہ حرام اور ناجائز ہے۔ (ب) وہ حیلہ ہے جو کہ حرام سے بچنے اور فراغت ذمہ

اور اسقاط واجب کے لئے ہو، جیساکہ حضرت ایوب علیہ السلام نے کیا تھا۔ اور جیساکہ پیغمبر صلی اللہ علیہ نے ایک مریض غیر شادی شدہ کے لئے کیا تھا۔ رواہ ابوداؤد۔ ص ۶۱۴ قالوا ما رئینا باحد من الناس من الضر مثل الذی ہو بہ لو حملنا الیک لتفسخت عظامہ ماھو الا جلد علی عظم فامر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان یاخذ والہ مأۃ شمراخ فیضربوہ بھا ضربۃ واحدۃ۔

خلاصہ یہ کہ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اس شخص (جس سے زنا صادر ہوا تھا۔ اور وہ غیر شادی شدہ تھا) کے متعلق فرمایا کہ اس جیسا تکلیف میں مبتلا ہم نے اور کسی کو نہیں دیکھا ہے اگر ہم اس کو یہاں لائیں تو اس کی ہڈیاں ریزہ ریزہ ہوں گی۔ اسکی ہڈیوں پر صرف چمڑا رہ گیا ہے۔ پس پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ اس کو کھجور کے ایک گچھا سے جس میں سو شاخ ہوں ایک دفعہ مارا جائے۔ اور یہ حیلہ جائز ہے نہ منسوخ ہے اور نہ مخصوص ہے۔ اور یہی مروی ہے عطاء اور امام شعبی سے۔ اور اس کو احناف اور شوافع اور حنابلہ نے مختار کیا ہے۔ بخلاف مالکیہ اور سلفیہ کے جن کے نزدیک یہ حیلہ مشروع نہیں ہے۔ (فلیراجع الی تفسیر القرطبی ص ۲۱۳ ج ۱۵ وشرح الاشباہ للحموی۔ ص ۴۱۸ و فتح الباری ص ۲۷۵ ج ۱۲)

فقہاء کرام کی آراء: حیلۂ اسقاط جس طرح باصلہا ثابت ہے۔ تو اس طرح فقہاء کرام (خصوصاً وہ فقہاء جن سے اکابر دیوبند فتاویٰ نقل کرتے ہیں۔) نے اسکی مشروعیت پر تصریح کی ہے۔ فلیراجع الی ردالمحتار ص ۷۰۴ ج ۱ والطحطاوی ص ۲۷۳ والشرح الکبیر ص ۷۹۷ وخلاصۃ الفتاوی ص ۱۵۳ ج ۱ والبحر ص ۹۱ ج ۲ والاشباہ والنظائر ص ۴۱۸ وھکذا فی غیر واحد من الفتاوی۔ لہٰذا اس حیلہ کی مشروعیت میں کوئی شبہ نہ ہوگا۔

شرائط: البتہ اس حیلہ کی مشروعیت کے لئے کچھ شرائط بھی ہیں جن کی رعایت نہایت ضروری ہے۔

ا۔ یہ کہ عدم وصیت کی صورت میں ورثہ میں غائب اور نابالغ نہ ہوں کیونکہ ان کے اموال سے تبرع ناجائز ہے۔

ب۔ یہ کہ دائرہ میں صرف مساکین بیٹھے ہوں۔ غنی کو دینے سے فراغت ذمہ حاصل نہیں ہوتی ہے۔

ج۔ یہ کہ مسکین کو واقعی تملیک کیا جائے، نہ کہ فرضی اور لسانی۔ ورنہ اس حیلہ سے مقصود حاصل نہ ہوگا۔ کما فی منۃ الجلیل ص ۲۲۵ ج ۱ ویجب الاحتراز من ان یلاحظ الوصی عند دفع الصرۃ للفقیر الھزل او الحیلۃ بل یجب ان یدفعھا حقیقۃ لا تحیلاً ملاحظاً ان الفقیر اذا ابی عن الھبۃ الی الوصی کان لہ ذلک ولا یجبر علی الھبۃ۔ انتہٰی ——— خلاصہ یہ کہ وصی وغیرہ پر ضروری ہے۔

کو مسکین کو تھیلی وغیرہ دینے کے وقت ہزل یا حیلہ کا ارادہ نہ کریگا۔ بلکہ اس تھیلی وغیرہ کا مسکین کو واقعی اور حقیقی تملک کریگا۔ (حتیٰ کہ اگر یہ مال کافی مقدار میں ہو اور حیلہ کرنے کے وقت داخلہ کا اعلان ہوا ہو تو اس مسکین پر حج فرض ہوگا۔ دوسرے شخص کو ہبہ کرنے سے یہ فریضہ ساقط نہ ہوگا۔) اور یہ ملحوظ رکھے گا کہ اگر مسکین نے واپس دینے سے منع کیا تو اس کے لئے یہ درست ہوگا اور اسکو مجبور نہ کیا جائیگا۔

حیلۂ مروجہ کی حقیقت | اور ہمارے علاقہ میں جو حیلۂ مروج ہے۔ اس میں ان شرائط خصوصاً شرط اخیر کی رعایت مفقود ہے۔ لہٰذا یہ حیلہ مروجہ فراغت ذمہ کے لئے بے سود ہے۔ بلکہ بہت سے ائمۃ المساجد نے اس حیلۂ اسقاط کو حیلۂ استحصال بنایا ہے۔ پس اہل علم پر ضروری ہے کہ یا ان مفاسد کی اصلاح کریں اور یا اس حیلہ کا انسداد کریں۔ کیونکہ اس کی وجہ سے غیر اہل علم غلط فہمی کے شکار ہوتے ہیں۔ ■■

بقیہ: انواع تفسیر

(۳) "بیان القرآن" اور "نکات القرآن" از محمد علی ایم۔ اے متوفی ۱۳۷۱ھ۔
(۴) "مخزن معارف" مؤلفہ پیر معین الدین احمدی۔
(۵) حکیم نورالدین کے درس کے نوٹس (NOTES) جو کتابی شکل میں ہیں۔
(۶) "انوار القرآن" مؤلفہ ڈاکٹر بشارت احمد ڈاکٹر لاہوری مرزائی۔
(۷) "تفسیر سورۃ العصر اور الفاتحہ" اور "خزینۃ القرآن" از مرزا غلام احمد قادیانی بانی فرقہ ہذا۔
(۸) "تفسیر سورۃ الجمعہ" حکیم نورالدین خلیفہ اوّل۔
(۹) "تفسیر سروری" مؤلفہ سرور شاہ مرزائی۔
(۱۰) "تفسیر صغیر" مرزا بشیر الدین محمود خلیفہ دوم۔

(باقی آئندہ)

بقیہ: شیعہ سنی

نُشْرِكَ بِهٖ شَيْئًا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ

نہ ٹھہرائیں اس کا کسی کو اور نہ بنائے کوئی کسی کو رب سوائے اللہ تعالیٰ کے۔

(آل عمران ۶۴)

ہم اپنے ایرانی بھائیوں سے پھر عرض کرنا چاہتے ہیں کہ یہ معروضات محض خلوص، حسن نیت، اسلامی اتحاد کی زبردست خواہش اور ذمہ داری کے احساس کی بناء پر پیش کی گئی ہیں، اگر آپ کو بین السطور کوئی ایسی چیز نظر آئے جس سے آپ اتفاق نہ کرسکیں، یا حقیقت و واقعیت کے خلاف افراط و تفریط دیکھیں تو ہم معذرت خواہ ہیں کہ انسان خطا کا پتلا ہے، بے عیب ذات صرف خدا کی ہے۔ ■■

ایشیا کی عظیم یونیورسٹی

دارالعلوم دیوبند

جس نے

برِ صغیر میں علم و آگہی کی شمع روشن کی — صحیح اسلامی تعلیم کو رواج دے کر بدعات و رسوم کا خاتمہ کیا — صراطِ مستقیم سے بھٹکی ہوئی انسانیت کو سیدھا راستہ دکھایا — خوابیدہ مسلمانوں کو نہ صرف بیدار کیا بلکہ ان کی منزل کی طرف صحیح رہنمائی بھی کی — احساسِ کمتری کے شکار مسلمانوں میں جذبۂ جہاد پیدا کر کے جابر انگریز کے خلاف سیسہ پلائی دیوار بنا دیا —

شاملی کی سرزمین سے تاریخ میں لالہ رنگ باب کا اضافہ کیا —

مالٹا اور ملک کی جیلوں کو آباد کر کے امام اعظم، احمد بن حنبل کی سنت کو زندہ کیا۔

اور بالآخر دار و رسن کی حکایات کو زندہ کر کے خود زندۂ جاوید ہو گیا۔ یہاں تک کہ بدیشی حکمرانوں کو ملک بدر ہونا پڑا۔

اسی سادہ و رنگین داستانِ (دارالعلوم) جہد و دعا کو پیش کرنے کیلئے

ماہنامہ "الرشید" تاریخ سے چند اوراق مستعار لیتے ہوئے

انشاء اللہ بہت جلد

دارالعلوم دیوبند نمبر

شائع کر رہا ہے

جس میں مشہور اہلِ قلم حضرات مسلمانانِ عالم کی اس عظیم درس گاہ کے یوم تاسیس سے آج تک کے کارہائے جلیلہ صفحۂ قرطاس پر منتقل کر رہے ہیں

اس لئے

یہ نمبر علمی معلومات کا خزانہ ہی نہیں بلکہ عظیم تاریخی دستاویز ہوگا

قارئین اور ایجنٹ حضرات مطلوبہ تعداد سے فوری مطلع فرمائیں

تبصرۂ کتب

سمیع الحق

اختر راہی

المعجم المفہرس لالفاظ القرآن الکریم

استاذ محمد فواد عبدالباقی مصری

ناشر :- سہیل اکیڈمی۔ شاہ عالم مارکیٹ لاہور

صفحات : ۷۸۴ ۔ قیمت سو روپیہ

قرآن کریم کے کسی بھی لفظ آیت یا مضمون کی فہرست (انڈکس) ایک مستقل علم بن چکا ہے۔ اس موضوع پر مسلمان علماء اور یورپ کے مستشرقین نے بڑے پایہ کی کتابیں مرتب کی ہیں۔ مثلاً کاظم بک کی کنوز العرفان اور فلوگل کی نجوم الفرقان اور ممتاز علی دیوبندی کی تفصیل البیان مگر مصر کے مائیہ ناز محقق محمد فواد عبدالباقی کی پیش نظر کتاب جامعیت کے لحاظ سے سب سے مفید ترین کتاب جس کے ذریعہ ہم قرآن کریم کے تمام الفاظ افعال ہوں یا اسماء اور ان کے مشتقات نہایت آسانی سے تلاش کر سکتے ہیں۔ اور ہر مادہ کی متعلقہ آیات اور ان کی مجموعی تعداد بھی بآسانی معلوم کر سکتے ہیں۔ مثلاً یہ کہ لفظ اللّٰہ قرآن میں ۲۶۹۷ دفعہ آیا ہے۔ ۹۸۰ بار مرفوع ۵۹۲ بار منصوب۔ ۱۱۲۵ بار مجرور۔ اسی طرح دیگر تمام الفاظ اور ان کے متعلقات اور ان کی مختلف صورتوں کو معلوم کیا جا سکتا ہے۔ اور یہ کہ وہ کس کس آیت میں مستعمل ہوئے ہیں۔ یہ وقیع کتاب اس سے قبل بھی عالم اسلام میں چھپ رہی تھی۔ مگر ہمارے ہاں کی سہیل اکیڈیمی نے اسے پہلی بار شائع کیا اور اپنی شاندار روایات کو کاغذ، طباعت، جلد بندی ہر لحاظ سے قائم رکھا۔ اس سے قبل سہیل اکیڈیمی تفسیر ابن کثیر وغیرہ کی طباعت میں بھی اعلیٰ اور عمدہ ذوق کا ثبوت دے چکی ہے۔ پیش نظر کتاب بھی معنویت، افادیت اور ظاہری خوبیوں غرض ہر لحاظ سے ایک شاندار پیشکش ہے۔ (سمیع الحق)

سلاسل طیبہ | مؤلفہ مولانا حسین احمد مدنیؒ ۔ اضافات جدیدہ قاضی مظہر حسین ــــ ناشر: مکتبہ عثمانیہ چکوال (میانوالی) ۔ طباعت: عمدہ ۔ صفحات: ۱۵۶ ۔ قیمت: ۵/ روپیہ مجلد ۔ ۴/۵۰ روپیہ بلا جلد۔

سلاسل طیبہ شیخ الاسلام مولانا مدنیؒ کے ترتیب دیئے ہوئے سلاسل طریقت ہیں۔ یہ کتاب ان کی زندگی میں متعدد مرتبہ طبع ہوئی۔ زیر نظر اشاعت میں سلاسل میں خود مولانا مدنیؒ کا نام بھی شامل کیا گیا ہے۔ آغاز میں قاضی مظہر حسین کے قلم سے طویل مقدمہ ہے۔ جس میں توسل فی الدعا کے دلائل، بیعت کے فوائد، مرشد کے اوصاف اور مولانا مدنیؒ کے مختصر سوانح حیات لکھی گئی ہے۔ ناشر نے اپنی طرف سے چند صفحات لکھے ہیں جو نہ لکھے جاتے

حکم الذکر الجہر | مؤلفہ: محمد سرفراز خان صفدر۔ ناشر: ادارہ نشر و اشاعت مدرسہ نصرت العلوم متصل گھنٹہ گھر، گوجرانوالہ۔ طباعت: عمدہ۔ صفحات: ۳۴۰۔ قیمت: ۱۶/- روپیہ۔

محمد سرفراز خان صفدر صاحب نے اپنی تالیف "راہِ سنت" میں "ذکر بالجہر" کے بارے میں لکھا تھا کہ جہاں شرعاً بلند آواز سے ذکر ثابت نہیں ہے۔ وہاں ذکر بالجہر مکروہ اور بدعت ہے۔ فرض نمازوں کے بعد اور جنازہ کے ساتھ ہمارے معاشرہ میں جو ذکر کیا جاتا ہے۔ یہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے ثابت نہیں ہے۔

ذکر بالجہر کے جواز میں بریلوی مسلک کے عالم سعیدی صاحب نے ایک کتاب لکھی اور سرفراز صاحب کی تردید کی کوشش کی۔ زیر تبصرہ کتاب سعیدی صاحب کے دلائل کا جواب ہے، اور سرفراز صاحب نے اپنا نقطۂ نظر قرآن و سنت اور آراء فقہاء کی روشنی میں بدلائل پیش کیا ہے۔ انداز بیان میں مناظرانہ جھلک پائی جاتی ہے۔

علامہ اقبال اور ہم | مؤلفہ ڈاکٹر اسرار احمد۔ ناشر: مرکزی انجمن خدام القرآن۔ ۱۲ افغانی روڈ، سمن آباد۔ لاہور۔ صفحات: ۴۰۔ کتابت و طباعت: عمدہ قیمت: ڈیڑھ روپیہ۔

"علامہ اقبال اور ہم" ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کی ایک تقریر ہے۔ جس میں انہوں نے اقبال کی مختلف حیثیتوں مصور پاکستان، قافلہ ملی کا حدی خوان، رومی ثانی اور اقبال اور قرآن پر اقبال کے حوالے سے فکر انگیز گفتگو کی ہے۔ ضمیمہ میں فارسی اشعار کا آسان اردو ترجمہ درج کیا گیا ہے۔

مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق اور علامہ اقبال | مؤلفہ: سید نذیر نیازی۔ ناشر: مرکزی انجمن خدام القرآن ۱۲۔ افغانی روڈ۔ لاہور۔ صفحات: ۱۶۔ طباعت: عمدہ۔ قیمت: درج نہیں۔

مجلس اقبال کے ساغر کش سید نذیر نیازی نے علامہ اقبال کے قرآن سے شغف اور ان کی فکر میں مقام قرآن پر عمدہ کتابچہ لکھا ہے۔

فوارہ مارکہ
اصل قسم کا
سوتی دھاگہ
سنگل اور فولڈڈ
۱۰ کاؤنٹ سے ۳۰ کاؤنٹ تک
ہنکس کے علاوہ کونز پر بھی دستیاب ہے
تیار کنندگان:
ڈی-ایم-ٹیکسٹائل ملز لمیٹڈ
تار کا پتہ: DUSTCOT

شہر شہر اور گاؤں میں
سب کے پاؤں میں
سروس
شوز
سروس
ہوائی چپل
جدید ترین اور دلکش ڈیزائنوں
میں
ہلکی پھلکی - آرام دہ - ارزاں
Servis